آدابِ حاملینِ قرآن
www.KitaboSunnat.com
امام یحییٰ بن شرف الدین نوویؒ
شارحِ مسلم و مصنف ریاض الصالحین
مکہ کتاب گھر
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

آداب حاملین قرآن

ترجمہ

التبیان فی آداب حملۃ القرآن

مصنف

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

حضرت مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی

مکہ کتاب گھر

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

ضابطہ

کتاب : .... آداب حاملین قرآن

تصنیف : .... امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ : .... مولانا نجم الدین اصلاحیؒ

باہتمام : .... عبدالوحید اشرفی

ناشر : .... مکہ کتاب گھر اردو بازار لاہور

تاریخ اشاعت : .... اکتوبر ۱۹۹۹

قیمت : ..... ۶۳ روپے

فہرست مضامین

22134

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امابعد!

اَلتِّبْیَانُ فِیْ آدَابِ حَمَلَۃِ الْقُرْآنِ مصنفہ امام محی الدین النواوی یحیٰ ابن شرف الشافعیؒ شارح مسلم شریف کی ایک بہت ہی مفید تصنیف ہے، مصنف کے حالات سے کتاب کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ ہر پڑھا لکھا خود کرلیگا اس کتاب کے حوالجات مصنفین خود اپنی تصنیفات میں دیتے رہتے ہیں، مثلاً حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ نے فضائل القرآن جو ذیل ہے تفسیر ابن کثیر کا اس میں دیا ہے۔

واضح ہو کہ احادیث نبوی کی شرح و تفسیر میں امام طحاوی، امام خطابیؒ صاحب معالم السنن اور علامہ بغوی صاحب شرح السنۃؒ امام تقی الدین ابن دقیق العیدؒ صاحب المام فی احادیث الاحکام، امام شرف الدین نواویؒ صاحب تہذیب الاسماء واللغات اور امام ولی اللہ محدث دہلوی صاحب حجۃ اللہ البالغہ کی علمی خدمات رہتی دنیا کے لئے کانہ علم فی راسہ منار ہدایت کا کام دیتی رہیں گی، خصوصاً مؤخر الذکر شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے قلب و نظر کی وسعت تو اللہ تعالیٰ کی وہ موہبت کبریٰ ہے جو انھیں پر ختم ہو گئی اور بقول علماء ہند کے کہ ایک طرف ان کے زمانے اور ماحول کو اور دوسری طرف ان کے کام کو جب آدمی بالمقابل رکھ کر دیکھتا ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اس دور میں اس نظر، ان خیالات اور اس ذہنیت کا آدمی کیسے پیدا ہو گیا ؏

ایں سعادت بزور بازو نیست ٭ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

زمانۂ قیام سدھاری میں میں نے اس کتاب کا ترجمہ کر دیا تھا جو کاغذات کے ڈھیر میں فراموش ہو چکا تھا، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی زیر تحریر سوانح حیات کے الٹ پھیر میں اس ترجمہ پر نظر پڑ گئی، خیال گذرا کہ اس ترجمہ پر نظر ثانی کر کے شائع کر دیا جائے تو انشاء اللہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا، چنانچہ اس کام پر لگنا پڑا، مصنف چونکہ شافعی المسلک اور وسیع النظر عالم ہیں اور شافعیت کے زعم میں تجاوز کر گئے ہیں، اس لئے بعض جگہ احناف رحمہم اللہ کے مسلک کو واضح کرنا پڑا اور بعض فوائد بھی اپنی جانب سے اضافہ کرنے پڑ گئے، ترجمہ تحت اللفظ کے بجائے عبارت کے مفہوم کو عام فہم انداز میں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے اگر کسی جگہ مفہوم صاف طور پر واضح نہ ہو سکا ہو تو یہ میرا قصور علم ہوگا مصنف رحمہ اللہ کا نہیں۔

اس کتاب میں دس باب اور ۱۰۹ فصلیں ہیں، دسواں باب اس کتاب کے اسماء اور لغات پر مشتمل ہے، اس کو میں نے ہاتھ نہیں لگایا کیونکہ وہ عام پڑھے لکھوں کیلئے زائد چیز تھی، اہل علم سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مفید مشوروں سے محروم نہ فرمائیں گے اور دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس ترجمہ کو مقبول فرما کر مترجم کیلئے ذخیرۂ آخرت بنائے آمین۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

اس کتاب کی اشاعت میں عزیزی حافظ صدر الدین سلمہٗ اور حکیم محمود عبداللہ خاں صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی کا تعاون اگر نہ ہوتا تو ابھی یہ کتاب چھپ نہ سکتی۔ میں ان حضرات کا دل سے شکر گذار ہوں۔

نجم الدین اصلاحی کان اللہ لہٗ — جنوری ۱۹۷۸ء

مختصر حالات شیخ الاسلام محی الدین النواوی رحمہ اللہ تعالیٰ

شیخ الاسلام محی الدین النواوی بہت بڑے محدث اور بے نظیر مصنف محقق اور زہد و تقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے، آپ کی ولادت محرم کے درمیانی عشرہ ۶۳۱ھ میں ہوئی۔ دمشق میں وہ ۶۴۹ھ میں پہنچے، پھر ساڑھے چار مہینے میں تنبیہ پڑھی اور سال کے بقیہ حصہ میں چوتھائی مہذب حفظ کرلیا۔ دمشق میں دو سال کے قیام میں سوئے نہیں اور روزانہ بارہ سبق مشائخ کرام سے پڑھا کرتے تھے، امام نواوی نے خود بیان فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ مجھ کو فن طب سے دلچسپی ہوئی، چنانچہ میں شیخ الرئیس بو علی سینا کی کتاب "قانون" خرید کر پڑھ رہا تھا کہ اس کا یہ اثر میرے دل پر ہوا کہ تاریکی چھا رہی ہے، فوراً کتاب کو بیچ ڈالا، اور شبہ سے بچنے کیلئے دمشق کے باغات سے کبھی کوئی پھل نہیں کھائے، دن اور رات میں صرف عشاء کے بعد ایک مرتبہ کھانا کھاتے تھے اور صبح کو ایک بار پانی پیتے تھے اور رات کے اکثر حصہ میں بیدار رہ کر عبادت، ریاضت اور تلاوت و تصنیف میں مشغول رہا کرتے تھے اور تنگیٔ معاش کے باوجود صبر اور شکر اور تقویٰ اور پرہیزگاری میں اپنے زمانہ میں ممتاز تھے۔ ۶۵۰ھ میں مدرسہ رواحیہ میں پہنچے اور وہاں کتاب "تنبیہ" کو حفظ کرلیا اور ۶۵۱ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج و زیارت سے فارغ ہوگئے اور پھر تصنیف و تالیف میں آخری زندگی تک مشغول رہے اور بہت سی مفید کتابوں کے مصنف ہوئے، جن کے اسماء درج ذیل ہیں:۔

الروضہ، المنہاج، المناسک، تہذیب الاسماء واللغات، شرح صحیح مسلم شرح المہذب، التبیان فی آداب حملۃ القرآن، الارشاد، التیسیر والتقریب، ریاض الصالحین، الاذکار، الاربعین، الطبقات الفقہاء والشافعیہ وغیرہ،

آپ کے شیوخ و اساتذہ کی فہرست طویل ہے، ان میں قاضی رضی ابن برہان الدین اور شیخ الشیوخ عبدالعزیز الحموی اور ایک جماعت جن میں شیخ کمال اور اسحاق بن احمد مغربی سرفہرست ہیں، صحیحین و سنن ابی داؤد، ترمذی، نسائی ابن ماجہ، دارقطنی، شرح السنہ، مسند شافعی و مسند امام احمد کو عزالدین ابن خالد سے سماعت فرمائی، اور آپ سے ایک جماعت فقہاء اور حفاظ حدیث مثلاً علاء الدین بن العطار، شیخ ابی الحجاج المزی، قاضی محی الدین المزرعی اور امام شمس الدین ابن النقیب اور بہت بڑی تعداد نے استفادہ اور روایت حدیث کیا ہے۔

امام رافعیؒ اور شیخ محی الدین نوویؒ میں اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جاتا ہے تو بعض فقہاء امام رافعی کو اور بعض امام نوویؒ کو ترجیح دیتے ہیں، صوفیہ میں سے عارف باللہ ولی کبیر شیخ لیسین المزین کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے اور ان کے اشارات کو قبول فرماتے تھے، بعض شامی علماء سے منقول ہے کہ امام نوویؒ کی موت سے چند دن قبل شیخ لیسین نے فرمایا کہ مستعار کتابوں کو واپس کردو اور گھر جاکر اہل و عیال سے ملاقات کرلو، چنانچہ آپ نے عمل فرمایا، پھر ۲۴ رجب ۶۷۶ھ کو وصال ہوگیا جبکہ آپ کی داڑھی کے چند ہی بال سفید تھے، رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ صوفیاء کرام اس امت محمدیہ کے برگزیدہ اور منتخب لوگوں میں سے ہیں، ملاحظہ ہو امام یافعیؒ المتوفی ۷۶۸ھ کی کتاب مرآۃ الجنان۔ اللھم الحقنا بسلفنا الصالحین واجعل لنا لسان صدق فی الآخرین۔ آمین یارب العالمین۔

نجم الدین اصلاحی کان اللہ لہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بابِ اوّل

تلاوت قرآن مجید اور حفظ کرنے والوں کی فضیلت میں

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ اما بعد

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ لِیُوَفِّیَھُمْ اُجُوْرَھُمْ وَیَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ اِنَّہٗ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ ۝

(سورۃ الفاطر)

جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں گھاٹا نہیں تاکہ ان کو ان کی اجرتیں پوری پوری دیں اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ بھی دیں بیشک وہ بڑے بخشنے والے اور قدردان ہیں[1]

حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن مجید سیکھے اور

---

[1] اس آیت کریمہ سورۂ فاطر سے ان لوگوں کے خیال کی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ بغیر معنی سمجھے تلاوت سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے، البتہ جو لوگ معنی و مطلب کو سمجھتے ہیں ان کو زیادہ لطف آتا ہے اور ان کی قلبی کیفیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

سکھائے۔ (بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سمجھ کر قرآن پڑھتا ہے وہ بزرگ نیکو کار فرشتوں کے ساتھ ہوگا، اور وہ شخص کہ قرآن پڑھتا ہے اور اٹکتا ہے، اور پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے اس کے لئے دوہرا ثواب ہوتا ہے[1] (بخاری و مسلم)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن جو قرآن پڑھتا ہے اس کا حال مانند حال ترنج کے ہے کہ بُو اچھی ہوتی ہے اور مزہ بھی اسکا اچھا ہوتا ہے، اور حال اس مومن کا کہ قرآن نہیں پڑھتا مانند حال کھجور کے ہے کہ بُو اس میں نہیں ہے اور مزہ میٹھا ہے، اور حال اس منافق کا کہ قرآن نہیں پڑھتا وہ اندرائن کے پھل کے مثل ہے کہ بُو بھی اچھی نہیں اور مزہ بھی کڑوا ہے اور مثال اس منافق کی کہ قرآن پڑھتا ہے وہ مثل خوشبودار پھول کے ہے کہ بُو اس کی اچھی ہے اور مزہ کڑوا ہے[2]۔ (مسلم و بخاری)

---

[1] ماہر قرآن وہ شخص ہے جس کو قرآن خوب یاد ہو اور جو اٹکے نہیں۔ جو فرشتوں کا ساعمل کرتا ہے وہ آخرت میں منازل علیا میں اُن فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ دو ثواب سے مراد ایک تلاوت کا ثواب ہے، دوسرا اٹک اٹک کر پڑھنے میں جو مشقت ہوتی ہے اس کا ثواب، خلاصہ یہ کہ ماہر قرآن تو افضل ہے ہی، رُک رُک کر پڑھنے والوں کی بھی فضیلت ثابت ہے۔

[2] یعنی مومن قرآن خواں میں دو صفتیں ہیں ایک باطنی یعنی اعتقاد دلی اس کو میٹھا مزہ فرمایا، دوسری صفت ظاہری جس کا اثر لوگوں کو پہنچتا ہے، اسکو خوشبو سے تشبیہ دی یعنی مومن قرآن خواں کا ظاہر و باطن دونوں بہتر ہے اور جو مومن قرآن خواں نہیں اسکا باطن ایمان کے سبب سے اچھا ہے مگر ایمان کا ظاہری اثر نہیں، اور منافق قرآن خواں میں ظاہری اثر ہے مگر باطنی نہیں اس لئے کہ اسکا اعتقاد درست نہیں۔ اور جو منافق قرآن خواں نہیں نہ ظاہر اس کا اچھا اور نہ باطن اسکا اچھا۔ واللہ اعلم

حضرت عمر ابن الخطاب خلیفہ دوم رضؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ بیشک اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے ذریعہ کتنے لوگوں کو بلند کرتا ہے اور کتنے لوگوں کو پست کرتا ہے[1] (مسلم)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے فرماتے تھے قرآن پڑھو کہ قرآن قیامت کے دن پڑھنے والے کی شفاعت فرمائے گا۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ دو آدمیوں پر رشک آتا ہے، ایک وہ شخص کہ رات اور دن کو قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور مال میں سے اس کی راہ میں رات دن خرچ کرتا رہتا ہے، دوسرا وہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کا اس کو علم دیا اور وہ اس کے موافق عمل کرتا رہتا ہے (بخاری ومسلم)

---

[1] عامر ابن واثلہ ابی الطفیل سے روایت ہے کہ نافع ابن عبدالحارث عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے عسفان کے مقام پر ملے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مکہ کا امیر مقرر کیا تھا، پوچھا کہ اہل مکہ پر اپنی جگہ امارت پر کس کو چھوڑ کر آئے؟ نافع نے جواب دیا کہ ابن ابزیٰ کو، خلیفہ دوم نے فرمایا کہ ابن ابزیٰ کون ہے؟ نافع نے جواب دیا کہ ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک غلام ہے، حضرت عمر رضؓ نے فرمایا تم اہل مکہ پر غلام کو امیر اور حاکم بنا کر کے آئے ہو، نافع نے کہا ہاں اس لئے کہ وہ کتاب اللہ کا قاری اور فرائض اور علوم قرآن کا عالم ہے۔ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا ٹھیک ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویضع بہ آخرین" چنانچہ استیعاب میں علامہ ابن عبدالبرؒ کو عبدالرحمٰن ابن ابزیٰ کے بارے میں یہ فقرہ لکھنا پڑا "وقال فیہ عمر ابن الخطاب عبدالرحمٰن ابن ابزیٰ ممن رفعہ اللہ بالقرآن" یعنی حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ عبدالرحمٰن ابن ابزیٰ ان لوگوں میں ہیں جنکو قرآن نے بلند مرتبہ پر پہنچایا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید میں سے ایک حرف پڑھے تو اسکے بدلے ہر حرف پر نیکی ہے اور وہ نیکی برابر دس نیکیوں کے ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے[1]، ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جناب باری عزّ اسمہٗ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید جس کو باز رکھے میری یاد سے اور میرے مانگنے سے تو میں اس کو اس چیز سے بہتر دیتا ہوں مانگنے والوں کو، اور کلام الٰہی کی بزرگی تمام کلاموں پر ایسی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی بزرگی تمام مخلوقات پر ہے[2]۔ (ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک جس شخص کے دل میں قرآن مجید میں سے کچھ نہیں ہے وہ مثل اجاڑ اور ویران مکان کے ہے۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن حافظ قرآن سے کہا جائے گا کہ پڑھ اور پڑھ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جس طرح دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا

---

[1] اس روایت کی توجیہ میں صاحب اشعۃ اللمعات کا یہ نکتہ پیش نظر رکھنا چاہیئے، فرماتے ہیں تیس[30] نہیں بلکہ نوّے[90] نیکیاں درج اعمال ہوتی ہیں، کیونکہ الم کو حروف مقطعات کی طرح پڑھنے میں تو حروف ادا ہوتے ہی نہیں ہیں، پس الف ۳۰ لام ۳۰، اور میم ۳۰، کل ۹۰ ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

[2] روایت کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اذکار اور اوراد وغیرہ کو چھوڑ کر صرف قرآن مجید کو اپنا وظیفہ بنالیتا ہے اور اسی کا ہو رہتا ہے تو یہ قرآن مجید کی تمام مرادوں کے برلانے میں سب سے بہتر ہے بخدا یہ ہمکلامی کوئی معمولی بات نہیں ہے خوب غور کر لیا جائے۔

تیرا مرتبہ و مقام آخری آیت تک ہے جو تو پڑھے[1]

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن کو پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کے ماں باپ کو قیامت کے دن ایسے تاج پہنائے جائیں گے کہ اس کی روشنی تمہارے دنیا کے گھروں کے آفتاب سے زیادہ بہتر ہوگی، اسی پر عامل بالقرآن کو قیاس کر لو کہ کیا اس کا مرتبہ ہوگا[2] (ابوداؤد احمد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن مجید پڑھو بے شک اللہ تعالیٰ جس دل میں قرآن مجید محفوظ ہے اس کو عذاب نہ دے گا، اور بے شک یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت کا دستر خوان ہے جو اس میں پہنچا وہ بے خوف ہوگیا اور جو قرآن سے محبت کرے اس کو بشارت ہے۔ (دارمی)

حمیدی جمال رحمۃ اللہ علیہ نے امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ جہاد کرنے والا بہتر ہے یا قرآن مجید پڑھنے والا، سفیان ثوری نے فرمایا کہ قرآن پڑھنے والا، کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :۔ خیرکم من تعلم القراٰن و علمہٗ۔ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔

---

[1] کوفیوں کے نزدیک جن کی قرأت اس دیار ہند میں مروج ہے مشہور قول کے مطابق قرآن مجید کی آیات کی تعداد ۶۶۶۶ ہے، علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب اتقان جلد اول صـ۶۹ میں تحقیق کی ہے کہ قرآن مجید کی آیات کی تعداد ۶۶۱۶ ہے اور حروف کی تعداد تین لاکھ سینتیس ہزار چھ سو اکہتر ہے اور یہی تعداد ان کے نزدیک صحیح ہے، ایک روایت میں آیا ہے کہ جنت کے درجے بقدر آیات قرآن کے ہیں، جو تمام قرآن پڑھے گا جنت کے اوپر کے درجے پر جو اس کے لائق ہوگا چڑھے گا، واللہ اعلم۔ حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے قاری قرآن اور حافظ قرآن کے مدارج اور مرتبے کا اندازہ کرنا چاہیئے، سبحان اللہ کیا شان ہے۔

[2] قرآن مجید پر عمل کرنے والے کے ماں باپ کا جب یہ مرتبہ ہوگا تو خود اس عامل قرآن کا کیا درجہ ہوگا؟ اللہ ہی نے بتایا۔

دوسرا باب ۲

قرآن مجید پڑھے ہوئے کی دوسروں پر ترجیح

حضرت عبداللہ بن مسعود انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام قوم کا وہ شخص ہو جو قرآن مجید بہتر پڑھتا ہو[1] (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مجلس مشاورت میں بوڑھے اور جوان حفاظ قرآن ہوتے تھے، بخاری نے اسکو ذکر کیا ہے، مذہب صحیح اور مختار کی بنا پر علماء حق نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت سبحان اللہ ولا الہ الا اللہ کہنے سے افضل ہے جس کی تائید میں اور دلائل بھی موجود ہیں۔

---

[1] امامت اس کو کرنی چاہیے جو عالم ہو اور مسائل نماز سے اچھی طرح واقف ہو بشرطیکہ اس کے اعمال بھی اچھے ہوں، اس کے بعد جسے قرآن زیادہ یاد ہو اور اچھا پڑھتا ہو۔ اس کے بعد جو زیادہ متقی پرہیزگار ہو، اس کے بعد جو زیادہ عمر والا ہو، اس کے بعد جو خوش اخلاق ہو اور شرافت ذاتی رکھتا ہو، اس کے بعد جو زیادہ وجیہ اور صاحب وقار ہو، وغیرہ امامت کے لئے اچھے اور افضل کا انتخاب ہونا چاہیے، اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے کہ قوم کی امامت ایسا شخص کرے جو سب میں افضل ہو اگر اس کے ہوتے ہوئے کسی ادنی کو امام بنایا گیا تو وہ قوم ہمیشہ پستی میں رہے گی۔ تفصیل کے لئے جامع صغیر سیوطیؒ اور شرح السنہ بغویؒ وغیرہ کتب شرح حدیث ملاحظہ ہوں۔ اصلاحی

تیسرا باب ۳

حافظ قرآن کی عزت اور توقیر کے بیان اور ان کو تکلیف دینے کی ممانعت میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب[۱]۔ (سورہ حج)	اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگی چیزوں کا سو وہ دل کی پرہیزگاری کی بات ہے
وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِنْدَ رَبِّهِ	اور جو کوئی بڑائی رکھے اللہ کی حرمتوں کی سو وہ بہتر ہے اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک،
وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا (سورہ شعراء)	اور اپنے بازو نیچے رکھ ان کے واسطے جو تیرے ساتھ ہیں ایمان والے، اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بدون گناہ کئے تو اٹھایا انھوں نے بوجھ جھوٹ کا اور صریح گناہ کا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں سے ہے بوڑھے مسلمان اور قرآن جاننے والے کی تعظیم کرنا جو اس میں غلو اور تشدد کرنے والا نہ ہو اور نہ قرآن سے دور ہونے والا ہو، اور عادل و منصف بادشاہ کا اکرام کرنا۔ (ابوداؤد)

---

[۱] شعائر اللہ۔ کعبہ، قرآن مجید اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ شعائر جمع ہے، اس کا واحد شعیرہ اور شعارہ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کا ان کے مرتبہ کے مطابق احترام کرو (حاکم)

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ احد کے مقتولین میں سے دو دو آدمیوں کو ایک قبر میں کرتے پھر فرماتے ان میں سے قرآن کون زیادہ جانتا ہے، جس کی طرف لوگ اشارہ کرتے آپؐ اس کو قبر میں مقدم کرتے۔ (بخاری)

حدیث قدسی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص میرے ولی کو دکھ دیتا ہے میں اس کو اعلان جنگ کرتا ہوں (بخاری)

حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کہ نماز صبح کی پڑھے پس وہ شخص اللہ کے ذمہ میں ہے الخ [1] (مسلم)

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا روایت میں جو لفظ ولی یعنی دوست کے ہیں فرماتے ہیں کہ ولی سے مراد علمار حق ہیں کیونکہ اگر یہ علمار اللہ کے ولی اور دوست نہیں تو پھر دوسرا کون ہو سکتا ہے، یہ بدرجۂ اولیٰ ولی ہیں، ان کے بعد ہی اور لوگ، چنانچہ اسی بنا پر امام ابو القاسم بن عساکرؒ نے لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ علمار کی غیبت اور انکی بُرائی کرنا حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ جو علمار کی بُرائی کرتا اور

---

[1] نماز صبح پڑھنے کے بعد نمازی اللہ تعالیٰ کے عہد و امان میں ہو جاتا ہے، لوگوں کو چاہئے کہ اس نمازی سے کوئی ایسی بات نہ کریں جو اللہ تعالیٰ کی امان میں خلل ڈالے اور اللہ اس سے مؤاخذہ فرمائیں، پھر نجات کہاں؟

ان کی بے حرمتی کرنے میں اپنی زبان کو آزاد کر دیتا ہے تو دنیا ہی میں اس کا نتیجہ ظاہر ہو کر رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو موت سے پہلے دل کی بیماری میں مبتلا کر دیتا ہے اور اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے، پس لوگوں کو اللہ و رسول کی مخالفت سے بچنا چاہیئے، قرآن مجید میں یہ آیت صاف و صریح ہے۔

فلیحذر الذین یخالفون عن امرہٖ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم۔

تو ڈرنا چاہیئے ان لوگوں کو جو خلاف کرتے ہیں رسول کے حکم کا اس بات سے کہ ان پر کوئی بلا یا ان کو پہنچے دردناک عذاب۔

چوتھا باب

قرآن کے پڑھانے اور پڑھنے والے کے آداب میں

اس باب میں کئی فصلیں ہیں جو کتاب کا مقصود ہیں۔

(۱) **فصل نمبر ۱۔** استاد قرآن اور شاگرد قرآن کو چاہیئے کہ سب سے پہلے قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقصد بنائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَاءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ۔ (سورہ بینہ)

ان کو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ عبادت اس کے لئے خاص رکھیں، یکسو ہو کر، اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں اور یہی طریقہ پسندیدہ اور مضبوط لوگوں کی راہ ہے (سورہ بینہ)

بخاری اور مسلم میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عمل کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے

نیت کی[1]۔ یہ حدیث اصول اسلام میں سے ہے جس کی تفصیل میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ آدمی کو اس کی نیت ہی کے مطابق دیا جاتا ہے، امام ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ اخلاص کی تعریف میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اخلاص عبادت میں اکیلے اللہ تعالیٰ کو قصد کرنے کا نام ہے یعنی عبادت میں تقرب اور نزدیکی اللہ کے سوا دوسری کوئی شے مثلاً مخلوق سے بناوٹ اور تعریف وغیرہ کا ارادہ نہ کرے، حضرت حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص نام ہے بندے کے ظاہر و باطن میں عمل کے یکساں ہونے کا حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ اخلاص کی پہچان ہے عام لوگوں کی مدح اور ذم یعنی تعریف اور مذمت آدمی کی نظر میں یکساں ہو جائے یعنی نہ تو تعریف سے خوش ہو اور نہ برائی سے رنجیدہ ہو، اللہ تعالیٰ کی نزدیکی کے استغراق میں اور ثواب اخروی کی امید پر اعمال درمیان سے فراموش ہو جائیں، حضرت فضیل ابن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے لئے عمل کا چھوڑ دینا ریا ہے اور لوگوں کے لئے عمل کرنا شرک ہے، اخلاص[2] تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو ان دونوں باتوں سے محفوظ رکھے۔ حضرت سہیل تستریؒ فرماتے ہیں کہ عمل میں اخلاص یہ ہے کہ آدمی کے حرکات و سکنات، ظاہر و مخفی سب اللہ وحدہٗ لاشریک لہ کے لئے ہو جائیں جس کے اندر خواہشات نفس اور دنیا کی آمیزش نہ آوے

---

[1] مطلب یہ ہے کہ بغیر قصد اور نیت و ارادہ کے معتبر نہیں ہوتا، اگر زبان سے کہا اور دل غافل رہا تو معتبر نہیں اسی لئے علماء نے صرف زبان سے نیت کرنے کو معتبر نہیں سمجھا ہے پس اگر نیت ٹھیک نہیں ہے تو بجز اوقات ضائع کرنے کے کچھ فائدہ نہیں ہے ۱۲ [2] شیخ الحرم حضرت فضیل ابن عیاض رحمہ اللہ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا کی تفسیر میں آب زر سے لکھنے کے قابل نکتہ ارشاد فرماتے ہیں۔ فَالْخَالِصُ إِذَا كَانَ لِلّٰهِ وَالصَّوَابُ إِذَا كَانَتْ عَلَى السُّنَّةِ۔ یعنی عمل میں ریا کا قطعی دخل نہ ہو بلکہ خدا کے لئے ہو دوسرے مطابق سنت کے ہو۔ مقبولیت اعمال کو اسی کسوٹی پر جانچنا چاہیے۔ (۱۲ صلاحی)

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے کہ تو لوگوں کے خیال سے لوگوں کے لئے عمل نہ کر اور نہ ترکِ عمل ہی لوگوں کے لئے کر، مطلب یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کی گنجائش نہ ہو جو نیکی ہو انہیں کی رضامندی مدنظر ہو۔

حارث محاسبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صدیق وہ ہے کہ اپنے قلب کی اصلاح کی فکر میں مخلوقات کی نگاہوں سے گر جانے کی کوئی پرواہ نہ ہو۔ اور ذرہ برابر اپنے حُسنِ عمل کو اچھا نہ سمجھے اور نہ اس کو دوسروں کے برے اعمال سے کراہیت پیدا ہو، کیونکہ برا سمجھنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان کے اندر زیادتی کو پسند کرتا ہے اور صدیقین کے یہ بات شایانِ شان نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ بندہ جب سچائی ہی طلب کرے گا تو اللہ اس کو روشن ضمیری عطا فرمائے گا جس سے وہ عجائبات دین و دنیا کو مشاہدہ و ملاحظہ فرمائے گا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شرح المہذب۔

(۲) فصل نمبر ۲:۔ قرآن مجید کے پڑھانے میں ہمیشہ اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ اس سے دنیا کی غرض وابستہ نہ ہو کہ پڑھ کر اور پڑھا کر مال اور عزتِ دنیا یا ریاست اور وجاہت اور دوسروں کے مقابل میں اپنی برتری اور بڑائی حاصل کرنا پیش نظر ہو اور لوگوں کو اس کے ذریعہ اپنی طرف مائل کرنا ہی مطمح نظر ہو، اور پڑھانیوالا مال و دولت کی خواہش میں چاپلوسی سے پیش نہ آئے اگرچہ کم درجہ میں ہو، ہاں اگر معلم کو ہدیہ کے طور پر کچھ دیا جائے تو معلم کو یہ سوچنا ہوگا کہ اگر ہم نہ پڑھاتے تو بھی یہ ہدیہ اور تحفہ ہم کو ملتا تو خیر قبول کر لینے میں کوئی مضایقہ نہیں قبول کر لے ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا	جو کوئی چاہتا ہے آخرت کی کھیتی بڑھائیں گے ہم اس کے واسطے اس کی کھیتی، اور جو کوئی چاہتا ہو دنیا کی کھیتی اسکو دیویں گے ہم کچھ اس میں سے

وَمَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ (شوریٰ)	اور اس کے لئے نہیں آخرت میں کچھ حصہ۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ۔	جو کوئی چاہتا ہو دنیا جلد دیویں اس کو اس میں جتنا چاہیں، جس کو چاہیں۔ (بنی اسرائیل)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کہ علم سیکھے اس طرح کا علم کہ جس سے اللہ کی رضا طلب کی جاتی ہے، اس نے نہیں سیکھا اس کو مگر اس واسطے کہ اس سے دنیا حاصل ہو، ایسا شخص نہ پائے گا قیامت کے دن جنت کی خوشبو۔ (ابو داؤد)

حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص علم اس لئے حاصل کرے کہ اس کے ذریعہ علماء سے فخر کرے اور بیوقوفوں سے اس کے سبب جھگڑے یا لوگوں کو اپنی جانب پھیرے اور مائل کرے، اس کو اللہ تعالیٰ آگ میں داخل کریں گے۔ (ترمذی وغیرہ)

(۳) **فصل نمبر (۳)**:۔ اس بات سے لوگوں کو پوری احتیاط برتنی چاہیئے کہ قرآن مجید کے پڑھانے میں یہ ارادہ نہ ہو کہ صرف طلبہ کی کثرت ہو، اور اس سے دنیاوی فائدہ ہو، اور نہ یہ خیال معلمِ قرآن کو ہو کہ اگر کوئی اور بھی یہ کام کرتا ہو اور اس کے طلبہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور پڑھیں تو اس سے اس کو تکلیف ہو، یہ اکثر جاہل معلموں کا طریقہ ہوتا ہے، اس سے ان کی نیتوں کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ مقصود دین نہیں ہے بلکہ دنیاوی شہرت وغیرہ ہے، اس سے بچنا چاہیئے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے یہ کام ہوتا تو ہرگز اس کو تکلیف نہ ہوتی

اور وہ اپنے دل کو سمجھا لیتا کہ مقصد اللہ کی رضامندی ہے سو اس صورت میں وہ ہو رہی ہے اور دوسرا بھی وہی کام کر رہا ہے اور قرآن مجید کا علم پڑھ رہا ہے۔

حضرت علی بن طالبؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے قرآن مجید کے حافظو قرآن پر عمل کرو کیونکہ عالم وہی ہے جو پڑھا ہے اس پر چلے اور اس کا عمل علم کے مطابق ہو، بعد میں ایسے لوگ آئیں گے جو علم پڑھے ہوں گے مگر ان کے حلق سے نیچے علم نہ ہوگا، ان کا عمل علم کے مخالف ہوگا اور ان کا ظاہر باطن سے جدا ہوگا، مختلف ٹولیوں اور حلقوں کے ذریعہ فخر و مباہات دوسروں پر کریں گے اور جب کوئی ان کا ساتھی دوسری جگہ بیٹھا دکھائی دے گا تو غصہ کریں گے اور اس کو چھوڑ دیں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور میں نہیں پہنچیں گے اور نہ قبول ہوں گے۔ (دارمی)

سند صحیح کے ساتھ یہ بات حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کی موجود ہے، آپ نے فرمایا کہ میں اس کو دل سے پسند کرتا ہوں کہ جن لوگوں نے مجھ سے پڑھا ہے اگر وہ میری طرف ایک حرف کی بھی نسبت نہ کریں تو مجھے رنج ہرگز نہ ہوگا، اس سے ان ائمہ کرام کی صحیح نیتوں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس درجہ اُن بزرگوں پر اللہ کا ڈر غالب رہا کرتا تھا۔

(۴) **فصل نمبر (۴)**:- علم دین کے معلمین اور استادوں کیلئے مناسب ہے کہ وہ ان اخلاق سے موصوف ہوں جو شریعت میں آئے ہیں یعنی معلم بہترین اخلاق اور پسندیدہ عادات والا ہو، دنیا سے رغبت نہ ہو اور نہ دنیا کی اس کو پروا ہو، طبیعت میں سخاوت ہو، چہرہ پر بشاشت اور طمانیت ہو اور بُرے اخلاق سے نفرت ہو اور ذلیل طریقہ پر روزی حاصل کرنے سے بچتا ہو، صابر اور

بردبار ہو، شبہ تک کی چیز سے پرہیز کرتا ہو، متواضع اور منکسر مزاج ہو، وقار اور سکونِ قلب رکھتا ہو، ہنسی و مذاق اس حد تک کرتا ہو جس کی اجازت حدیث سے ثابت ہوتی ہے، ہنسنے میں زیادتی نہ ہو، معمولات اور وظائف شرعی کا پابند ہو، پاک وصاف رہتا ہو، ناخن بڑھے نہ ہوں اور جن بالوں کو شریعت نے مونڈنے اور دور کرنے کا حکم دیا ہے اُس کو دور کرتا ہو، مونچھوں کو کترواتا ہو اور داڑھی کو بڑھاتا ہو، اوچھے یعنی ایسے لباس جو مکروہ ہوں یا اُن سے بدبو آتی ہو اس کو استعمال نہ کرتا ہو اور پوری طرح حسد اور ریاکاری سے بچتا ہو، غرور اور گھمنڈ نہ ہو، اور دوسروں کی ذلت نہ کرتا ہو یعنی بری طرح یاد نہ کرتا ہو اگرچہ وہ ان سے کم درجہ کا ہو، اور جن احادیث میں تسبیح و تقدیس اور ذکر واذکار وارد ہوئے ہیں ان پر عمل پیرا ہو اور اللہ تعالیٰ کی جانب ظاہر اور باطن سے متوجہ ہو اور ہر کاموں میں ان ہی کی طرف توجہ کرتا ہو۔

(۵) **فصل نمبر (۵)**:۔ استاد کو چاہیے کہ طالب علم پر نرمی کرے اور اس کے حسب حال اخلاق اور مجلس میں جگہ دے جیسا کہ حضرت ابو ہارون العبدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس جایا کرتے تو آپ فرماتے "مرحبا بوصیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اس کے بعد فرماتے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بیشک لوگ تمہارے تابع ہیں اور بہت سے لوگ روئے زمین سے آئیں گے اور تم سے دین میں سمجھ طلب کریں گے پس جب وہ آئیں تو ان سے بھلائی کرنا اور دین کی تعلیم دینا یہ میری وصیت ہے۔ (ترمذی)

(۶) **فصل نمبر (۶)** معلم دین کو چاہیے کہ وہ طالب علم دین کو نصیحت کرتا رہے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دین نصیحت ہے، ہم نے عرض کیا کس کے لئے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کی کتاب کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے۔ (مسلم)

نصیحت اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب کے لئے مراد یہ ہے کہ پڑھنے والے کی عزت کیجائے اور اس کو اس کے مصالح بتائے جائیں اور اس کے ساتھ نرمی اور شفقت برتی جائے اور ہر ممکن صورت سے علم دین کی تحصیل میں اس کی ہمنوائی کیجائے اور اس کی دلجوئی ہوتی رہے اور اس کو برابر علم پر ابھارا جائے، علم دین کی فضیلت بیان کی جایا کرے تاکہ اس کو اس سے دلچسپی پیدا ہوتی رہے' اور وہ خوش خوش اس کو حاصل کرے اور طالب علم دین کو دنیا سے بے رغبتی پر ابھارا کرے، تاکہ اسکی طرف میلان نہ ہو جائے بلکہ قرآن کی خدمت کی فضیلت اس کے سامنے رکھے اور تمام علوم شرعیہ کے حاصل کرنے پر زور دیتا رہے جیسا کہ صلحاء امت کا طریقہ رہا ہے کیونکہ یہی انبیاء علیہم السلام کی زندگی تھی، معلم پر یہ بھی ضروری ہے کہ طالب علم دین کے ساتھ وہی صورت اختیار کرے جو اپنے بچے اور اپنی ذات کے لئے پسند کیا جاتا ہے، اور اس پر وہی شفقت رکھے جو اپنی اولاد پر رکھتا ہے اور طالب علم کی غلطیوں اور بے ادبی پر صبر کیا جائے کیونکہ انسان کمزوریوں اور نقائص سے خالی نہیں ہے خصوصاً جب کہ وہ کم عمر ہو، بھلائی جس طرح اپنے لئے محبوب رکھتا ہے طالب علم کے لئے اسی طرح محبوب رکھے، اور جن چیزوں سے اُن کو نفرت ہو طالب علم سے بھی اسکو دور رکھے، کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم مومن کامل نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تم جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی اپنے بھائی کے لئے پسند نہ کرو۔

انھیں روایات کی بنا پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک لوگوں میں سب سے محترم وہ طالب علم دین ہے جو لوگوں سے گذر کر مجھ تک آتا ہے اگر میں اس کی طاقت رکھتا ہوں کہ اس کے چہرے پر مکھی نہ بیٹھنے پائے کہ اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہو تو میں ضرور ایسا کروں گا، ساتھ ہی معلم پر یہ

بھی ضروری ہے کہ اپنی بڑائی اور عظمت کا رعب طالب علم پر نہ ڈالے بلکہ نرمی اور تواضع سے پیش آئے، تواضع جب عام لوگوں کے ساتھ کیجاتی ہے تو جو شخص قرآن مجید کی تحصیل میں لگا ہوا ہے وہ اس سے بدرجہا تواضع کا مستحق ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تعلیم دینے اور حاصل کرنے میں نرمی اختیار کرو۔

حضرت ابوایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم کے لئے زیبا ہے کہ اپنے سر پر مٹی ڈالے اللہ تعالیٰ سے تواضع کی خاطر۔

(۷) **فصل نمبر (۷)**:۔ معلم کو چاہئے کہ آہستہ آہستہ طالب علم کو آداب شرعیہ اور بہترین و پسندیدہ اخلاق کی تعلیم دیتا رہے اور ادب سکھاتا رہے اور تمام ظاہر و باطن امور کی باریکیوں کو واضح کرتا رہے اور اپنے قول و فعل کے ذریعہ بار بار اخلاص، سچائی اور حسن نیت پر زور دیتا رہے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھے اور بتائے کہ اسی سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے انوار و برکات کے دروازے کھلیں گے اور دل کو پورا پورا سکون حاصل ہوگا اور پھر حکمت کے چشمے پھوٹ پڑیں گے، جس سے علم کے اندر برکت اور حالت میں تبدیلی پیدا ہوگی اور خدا کی جانب سے طالب علم کو توفیق خیر ہر قول و عمل کے اندر ہوگی۔

(۸) **فصل نمبر (۸)**:۔ بچوں کو علم دین کی تعلیم دینا فرض کفایہ ہے، اگر ایک آدمی کے سوا کوئی اور صلاحیت ہی نہ رکھتا ہو تو وہی حاصل کرے، اگر بہت سے لوگ ہوں تو بعض کا پڑھ لینا کافی ہوگا، ہاں اگر سب نے چھوڑ رکھا تو سب گنہگار ہوں گے۔

تعلیم و تعلم کے نظام کا قیام مسلمانوں پر فرض ہے، یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تمام مسلمان گھر چھوڑ کر تحصیل علم کے لئے کھڑے ہوں پس ایسا کرنا چاہئے کہ ہر بستی اور ہر گروہ میں سے کچھ لوگ اس کام کے لئے وقف ہو جائیں، وہ تعلیم و تربیت کے

مرکز میں رہ کر دین میں بصیرت پیدا کریں اور پھر اپنی آبادیوں میں جاکر دوسروں کو تعلیم دیں، کتاب وسنت کے یہی اشارات تھے جنھوں نے مسلمانوں میں اول دن سے تحصیل علم کا عام ولولہ پیدا کر دیا تھا حتی کہ انھوں نے ایک صدی کے اندر ہی اندر علم کا ایسا عالم گیر نظام قائم کر دیا جس کی نظیر دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

(۹) **فصل نمبر (۹):** معلم کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ بچوں کی تعلیم کا حریص ہو، اور اس کا دل پڑھانے کے وقت تمام مشاغل دنیویہ سے خالی ہو جو بہت سے ہیں ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، معلم سمجھانے میں بخل نہ کرے اور ہر انسان کو اسکے لائق باتیں بتائے، بہت لمبی چوڑی تقریر نہ کرے جس کا طالب علم تحمل نہ کر سکے اور جہاں زیادتی کرنی ہو وہاں مختصر بات نہ کرے تاکہ متعلم استاد کے بار بار اعادہ سے اپنی یادداشت مکمل کرے، طالب علم کی تعریف بھی اس شرط کے ساتھ کیجائے کہ اس سے طالب علم میں غرور نہ پیدا ہو اور مناسب طور پر طالب علم کی سرزنش بھی کیجائے بشرطیکہ اس سے طالب علم کو نفرت نہ پیدا ہو اور طالب علموں میں کوئی لائق وفائق ہو تو چاہیئے کہ اس پر رشک و حسد نہ کیا جائے اور نہ اس سے معاوضہ میں زیادتی ہو کیونکہ حسد تو سنگین جرم ہے اور طالب علم سے حسد کرنا تو اور بھی، کیونکہ وہ بمنزلہ اولاد کے ہوا کرتا ہے اور معلم کو تو اس کے صلہ میں آخرت کے دن زیادہ ثواب ملے گا اور دنیا میں لوگ وہ بھلائی سے یاد کریں گے۔

(۱۰) **فصل نمبر (۱۰):** معلم کو چاہیئے کہ اگر زیادہ بھیڑ ہو تو ترتیب کا خیال رکھے، اول کو اول اور آخر کو آخر میں جگہ دے اور پڑھائے، ہاں اگر پہلے سے آنے والے رضامندی سے بعد میں آنے والوں کو ترجیح دیدیں تو انھیں کو مقدم کر دیا جائے، سب کے ساتھ استاد خندہ پیشانی سے پیش آئے اور ان کے

حالات کا پتہ بھی لیتا رہے اور جو غائب ہوں انھیں معلوم کرے کہ کیوں نہیں آئے۔

(۱۱) **فصل نمبر (۱۱)**:۔ علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی صحیح نیت کے ساتھ علم حاصل کرنے نہ آئے تو بھی اس کو پڑھانا چاہیئے، اس لیے کہ حضرت سفیان ثوریؒ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ پڑھنے کے لئے آنا ہی علم کے تحصیل کی نیت ہے اور جو لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ہم نے اللہ کے لئے علم حاصل نہیں کیا ہے تو علم نے بھی انکار کیا کہ یہ اللہ کے لئے ہو، اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ اس سے علم کی غایت اور اس کا مقصد اللہ ہی کے لئے حاصل کرنا ہو جائے۔

(۱۲) **فصل نمبر (۱۲)**:۔ اور معلم کے آداب تعلیم میں جس پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے اس کی جانب شدت سے توجہ کی گئی ہے یہ ہے کہ پڑھانے کے وقت اس کے دونوں ہاتھ ادھر اُدھر بیکار نہ جاتے ہوں اور بلا ضرورت اس کی دونوں آنکھیں بھی اِدھر اُدھر نہ ہوتی ہوں، معلم پاک و صاف ہو کر صاف اور ستھرے لباس پہن کر قبلہ رو وقار سے بیٹھ جائے، اگر ہو سکے بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرے اگر مسجد میں ہے تو نماز کا پہلے پڑھنا اور زیادہ بہتر ہوگا، چار زانو ہو کر بیٹھنا اور بغیر اس کے بھی جائز ہے، ابو داؤد سجستانیؒ بسند روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں پڑھانے کے وقت زانو پر بیٹھ کر پڑھاتے تھے۔

(۱۳) **فصل نمبر (۱۳)**:۔ معلم کے فرائض میں سے یہ ہے کہ وہ علم کو ذلیل نہ کرے جس پر سلف نے بڑا زور دیا ہے، یعنی اپنی جگہ سے اٹھ کر دوسروں کے دروازوں پر نہ جائے بلکہ اپنی جگہ پر قائم رہے، اگرچہ خلیفۂ وقت ہی کا حکم کیوں نہ ہو اس سے علم دین محفوظ رہے گا اور یہی طریقہ سلف صالحین کا رہا ہے جس کے بہت سے واقعات تاریخ اسلام میں محفوظ ہیں۔

(۱۴) **فصل نمبر (۱۴)**:۔ معلم کو چاہیئے کہ اپنی مجلس کو وسیع رکھے تاکہ ہر شخص

پوری دل جمعی اور سکون سے بیٹھ کر استفادہ کر سکے کیونکہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ سب سے بہتر مجلس وہ ہے جو وسیع ہو، ابوداؤد، یہ روایت باسناد صحیح کتاب الآداب میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(۱۵) فصل نمبر (۱۵):۔ طالب علم کے آداب کا بیان۔ اوپر جو کچھ بیان ہوا ہے وہ فی الحقیقت آداب متعلم ہی ہے، متعلم کے آداب میں سے یہ ہے کہ وہ حتی الوسع ایسے اسباب سے بچے جو تحصیل علم میں مانع ہوں، الّا یہ کہ اس کی شدید ضرورت ہو، طالب علم کو چاہیئے کہ اپنے قلب کو ایسے امور سے پاک کرے جو قرآن مجید کی تحصیل میں مانع ہوں بلکہ وہ اپنے قلب کو قرآن مجید کے حفظ کے لائق بنائے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خبردار ہو جاؤ جسم کے اندر ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ ٹھیک ہے تو سارا جسم ٹھیک ہے اور جب اس میں بگاڑ واقع ہوتا ہے تو سارا نظام جسمانی تباہ و برباد ہو جاتا ہے، وہ ہے دل، کسی نے بہت خوب بات کہی ہے کہ علم کے لئے دل کا علاج کرو اور اس کو صحیح و تندرست بناؤ، اسی طرح جس طرح کسان کھیت کو زراعت کے لئے ہر ممکن طور پر درست کرتا ہے، طالب علم کو ہر طرح استاد کے ساتھ تواضع و خاکساری سے پیش آنا چاہیئے، اگرچہ وہ استاد عمر میں طالب علم سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، اور باعتبار نسب شاگرد سے فروتر ہو اور شہرت بھی نہ رکھتا ہو، علم کے لئے تواضع و خاکساری ہو گی تو علم بھی اس کو حاصل ہو کر رہے گا۔

طالب علم ہر طرح اپنے استاد کا مطیع و فرمانبردار رہے اور اپنے کاموں میں استاد سے مشورہ کرتا رہے، اس کی مثال اس مریض کی سی ہے جو لائق اور تجربہ کار طبیب کی باتوں اور پرہیز پر عمل کرتا ہے۔

(۱۶) **فصل نمبر (۱۶):۔** علم ایسے باکمال سے حاصل کیا جائے جس کی اہلیت کامل طور پر مسلم ہو اور اس کی دیانت وراست بازی اور معرفت علم پورے طور پر سب کے نزدیک مشہور ہو چکی ہو جیسا کہ حضرت محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ مشہور تابعی نے فرمادیا ہے اور یہی بات حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے، ارشاد ہوتا ہے کتاب وسنت کا علم دین کا علم ہے، پس خوب اچھی طرح دیکھ لو کہ اس علم کو کس سے حاصل کر رہے ہو، شاگرد پر واجب ہے کہ اپنے استاد کا غیر معمولی احترام پیش نظر رکھے اور اس کی اہلیت وصلاحیت کا اعتراف اس کے مماثل واقران کے مقابل کرتا رہے اور یہ خیال راسخ کرلے کہ یہ استاد ہم کو پوری طرح فائدہ پہنچا سکتا ہے سلف صالحین کے زمانے میں یہ دستور رہا ہے کہ جب شاگرد استاد کے پاس جاتے تو کچھ ہدیہ پیش کرتے اور یہ دعا بھی اپنے استاد کے حق میں کرتے کہ اے اللہ میرے استاذ کے عیب کو میری نظروں سے اوجھل کردے اور اس کے علم کی برکت کو مجھ سے دور نہ رکھ، ربیع رحؒ جو امام شافعیؒ کے شاگرد تھے فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی امام شافعی رحؒ کے روبرو پانی پینے کی جرأت اور ہمت نہ کی، اس درجہ ان کی ہیبت کا ان پر غلبہ تھا حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اے شاگرد تجھ پر استاد کا یہ حق ہے کہ جب تو اس کے پاس جائے تو عام سلام کے علاوہ استاد کو تحیت و مبارکباد دے اور اس کے سامنے ادب سے بیٹھ جا اور اس کے سامنے اشارہ و کنایہ کرنے سے احتراز کر، اور یہ بھی نہ کہو کہ آپ کے قول کے خلاف یہ قول ہے اور اس کے سامنے ہرگز کسی کی غیبت بھی نہ کرنا اور اگر وہ پڑھا کر کھڑا ہو جائے تو اس کے کپڑے کو پکڑ کر نہ کھینچنا کہ اور پڑھا دیجئے اور اگر اس کو کسل اور سستی پڑھانے میں کسی وجہ سے آجائے تو اصرار نہ کرنا اور استاد کی طول صحبت سے گھبرا نہ اٹھنا شاگرد کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس حکیمانہ ارشاد کے مطابق عمل کرنا اس کی

سعادت کی دلیل ہے، اور اپنے استاد کی غیبت سے بچے اگر معذوری ہو تو پھر اس کی مجلس سے علاحدہ ہو جا۔

(۱۷) **فصل نمبر (۱۷):-** استاد کے جن خصائل اور عادات کا ذکر اوپر آگیا ہے ایسے اوصافِ حمیدہ استاد کی خدمت میں شاگرد کو پاک وصاف اور طہارت کے ساتھ تمام امور سے فارغ ہو کر حاضر ہونا چاہیئے اور بغیر استاد کی اجازت کے ایسی جگہ حاضر نہ ہونا چاہیئے جہاں پر اجازت ضروری ہے اور حاضری کے وقت تمام حاضرین مجلس کو سلام کرنا اور استاد کی خصوصی مزاج پرسی ضروری ہے اور جب اس مجلس سے واپس ہو تو سب کو سلام وتحیت دیتا ہوا واپس ہو جیسا کہ حدیث میں آگیا ہے، پہلے اور بعد کے آنے والوں میں کچھ فرق نہیں سب برابر ہیں، لوگوں کے اوپر سے گردن پھاندتا ہوا آگے نہ جائے بلکہ جہاں مجلس ختم ہو وہیں رُک جائے اور بیٹھ جائے، ہاں اگر شیخ نے آگے بڑھنے کی اجازت کسی خاص وجہ سے دیدی تو آگے بڑھے اور اپنی جگہ سے کسی کیلئے کھڑا نہ ہو، اگر کوئی ایثار کرکے آگے بڑھنے کو کہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اتباع اور اقتدا کرے یعنی آگے نہ بڑھے، اگر آگے بڑھنے میں حاضرین مجلس کی مصلحت اور شیخ کا حکم بھی ہے تو آگے بڑھ جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور حلقہ کے بیچ میں نہ بیٹھے اور یہ کہ کوئی خاص ضرورت داعی ہو اور دو آدمیوں کے بیچ میں بھی نہ بیٹھے بغیر ان کی اجازت کے اگر دونوں ساتھی مجلس میں گنجائش بیٹھنے کی پیدا کردیں تو بیٹھ جائے اور ان سے مل جائے [1]

---

[1] سورہ مجادلہ میں آداب مجلس پر مفصل احکام کی شرح میں مولانا عثمانیؒ رقمطراز ہیں کہ حضور پُرنور ﷺ کی مجلس میں ہر شخص آپ کا قرب چاہتا تھا، جس سے کبھی مجلس میں تنگی پیش آجایا کرتی تھی حتی کہ بعض دفعہ اکابر صحابہ کو حضورؐ کے قریب جگہ نہ ملتی اس لئے یہ احکام دئے گئے تاکہ ہر ایک کو درجہ بدرجہ استفادہ کا موقع ملے اور نظم وضبط قائم رہے، اب بھی اس قسم کی انتظامی چیزوں میں صدر مجلس کے احکام کی اطاعت کرنا چاہیئے (اسلام ابتری اور بدنظمی نہیں سکھاتا بلکہ انتہائی نظم وشائستگی سکھلاتا ہے۔ (فوائد ترجمہ شیخ الہند)

(۱۸) **فصل نمبر (۱۸)**:۔ شاگرد پر یہ بھی لازم ہے کہ اپنے ساتھیوں اور جو شیخ کی مجلس میں موجود ہیں ان سے مؤدب ہو جائے، یہ بھی شیخ کے ساتھ گویا مؤدب ہونا ہے اور شیخ کی مجلس کی عزت افزائی ہے، شیخ کے سامنے جیسے شاگرد بیٹھا کرتا ہے اس طرح بیٹھے نہ کہ استاد کی طرح، بغیر ضرورت کے آواز بلند نہ کرے اور نہ ہنسے اور فضول اور زائد باتیں نہ کرے اور اپنے ہاتھوں سے بیکار کام نہ کرے اور نہ دائیں بائیں بلا ضرورت سے کے متوجہ ہو بلکہ ہمہ تن شیخ کی طرف دھیان کر کے کان لگا کر اس کی باتوں کو سنتا رہے۔

(۱۹) **فصل نمبر (۱۹)**:۔ شاگرد کو چاہیے کہ سب سے زیادہ اس بات کا خیال رکھے کہ جب شیخ کا دل ملول ہو اور مشغول ہو یا جماہی لے رہا ہو، کوئی غم یا خوف ہو، یا خوشی ہو یا پیاس ہو یا اونگھ آرہی ہو یا کوئی اور صدمہ اور قلق کی بات ہو کہ جو شیخ کے حضور قلب پر اثر انداز ہوتی ہو یا بہت خوش ہو کہ جس سے قلب میں طمانیت باقی نہ ہو تو شیخ سے نہ پڑھے بلکہ رک جائے اور استاد کے نشاط کو غنیمت سمجھے اور شاگرد کے فرائض اور آداب میں سے یہ بھی ہے کہ استاد کے ظلم اور سختی کو برداشت کرتا رہے اور اس کی محبت کو ترک نہ کرے اور نہ اس کے بارے میں جو اعتقاد رکھتا ہے فرق آئے۔ شیخ کے ان اعمال اور افعال کی بہترین توجیہ کرے جس سے بظاہر فساد معلوم ہوتا ہو، اس سے وہی شاگرد عاجز رہے گا جس کو کم توفیق ملی ہے، ورنہ بہترین تاویل ہو سکتی ہے، اگر شیخ نے زیادتی کر دی تو پہلے شیخ کو حق بجانب سمجھ کر اپنے کو خطاوار گردانے یہی چیز شاگرد کے لئے دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ نفع بخش ہو گی اور شیخ کے دل میں اس کے لئے جگہ ہو جائے گی، سلف نے خوب بات فرمائی ہے کہ جو شاگرد استاد کی سختی برداشت کرنے کے لئے اپنے کو تیار نہیں کرتا وہ تمام عمر جہالت کی تاریکی میں گرفتار

رہے گا، اور جس نے برداشت اور صبر سے کام لیا اس کی دنیا و آخرت بہتر ہو جائیگی جیسا کہ مشہور اثر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے جس نے طلب علم کی خاطر ذلت برداشت کی وہ طالب علم با عزت مطلوب تک پہنچے گا، کسی نے بہت خوب کہا ہے ؎

من لم یذق لھم المذلۃ ساعۃً ؛ قطع الزمان باسرہ مذ لولا

جو شخص پڑھنے میں تھوڑی سی ذلت نہیں برداشت کر سکتا ہے تو ایسا شخص تمام عمر ذلت اٹھاتا رہے گا۔

(۲۰) **فصل نمبر (۲۰)**:- شاگرد کے منجملہ آداب میں سے یہ بھی ہے کہ طالبعلم بہت زیادہ پڑھنے میں حریص ہو اور ہر وقت اس کا خیال رکھے اور زیادہ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع کو چھوڑ کر تھوڑے پر قناعت نہ کرے، اور جس کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کو اپنی ذات پر نہ ڈالے، یہ چیز لوگوں کے اختلاف اور ان کے حالات کے اختلاف سے ہوگی، اور جب شیخ کی مجلس میں آئے اور شیخ نہ موجود ہوں تو ان کے آنے کا انتظار کرے اور اُن کے دروازہ پر حاضر رہے اور اپنے طریقہ پر قائم رہے، اِلّا یہ کہ شیخ اس کو پسند نہ کرتے ہوں، اور یہ پڑھنے کے اوقات میں شیخ کے بارے میں اندازہ ہو سکتا ہے، اور اپنے شیخ کے ہوتے ہوئے دوسرے کے سامنے نہ پڑھنے جائے اور اگر شیخ کو سوتا ہوا یا کسی اہم کام میں مشغول پائے تو ان سے تشریف آوری کی درخواست نہ کی جائے بلکہ ان کے بیدار ہونے اور کام سے فارغ ہونے کا انتظار کیا جائے یا پھر خود لوٹ جائے انتظار کرنا زیادہ بہتر ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضؓ وغیرہم اکابر سلف کا طریقہ رہا ہے اور شاگرد کو سزاوار ہے کہ وہ اپنی ذات کو علم کی تحصیل میں پوری طرح ڈال دے فرصت اور نشاط، بدن کی توانائی، دل کی صفائی اور مشاغل کی کثرت اور بلند مراتب پر پہنچنے سے پہلے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ

کا ارشاد ہے علم میں سمجھ حاصل کرو سردار بننے سے پہلے یعنی اپنے اندر پوری پوری اہلیت وصلاحیت پیدا کرلو کیونکہ اب تم کو تابع سے متبوع بننا ہے، جب بڑے بنیگے تو پھر تحصیل علم کثرت مشاغل اور بلند مرتبہ پر پہنچنے کی وجہ سے نہیں ہوسکے گا یہی معنی ہیں امام شافعی رضی اللہ عنہ کے قول "تفقہ قبل ان ترأس" علم میں سمجھ پیدا کرو سردار بننے سے پہلے۔

(۲۱) **فصل نمبر (۲۱)** :- شاگرد شیخ سے دن کے ابتدائی حصہ میں پڑھنے جائے کیونکہ حدیث نبوی میں ہے کہ لے اللہ میری امت میں برکت صبح کے پہر دے۔ اور شاگرد کو چاہئے کہ قراءت جو محفوظ ہے اس کی زیادہ محافظت کرے اور اپنی باری کو دوسرے پر ایثار نہ کرے کیونکہ جس چیز سے قربت ومنزلت حاصل ہوتی ہو اس کا ایثار مکروہ ہے البتہ وہ ایثار پسندیدہ ہے جو نفس کو خوش لگتا ہو۔ ہاں اگر شیخ ایثار کو کسی خاص مصلحت کی بنا پر پسند کر رہا ہے اور اس کا اشارہ بھی ہے تو شیخ کے حکم کی اتباع کرے۔ اور جو چیز شاگرد پر بہت زیادہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اپنے ساتھیوں پر ہرگز حسد نہ کیا جائے اور نہ دوسروں پر کسی خاص فضیلت کی بنا پر جو اللہ نے اس کو عنایت فرمایا ہے فخر کیا جائے، عجب اور تکبر کے دور ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کو اس طرح سمجھے کہ مجھ کو جو کچھ حاصل ہوا ہے اللہ کی بخشش وکرم اور اس کے فضل کی بنا پر ہوا ہے، اور حسد کے دور ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضہ ہوا کہ وہ فضیلت اس کو دے دیا تو پھر اعتراض کرنا اور اس کی حکمت کو بُرا سمجھنا کہاں کی دانائی ہے بلکہ سخت خراب بات ہے۔

پانچواں باب

حاملین قرآن یعنی حفاظ قرآن کے آداب میں ۔۔۔!

حفاظ قرآن کے بارے میں کچھ باتیں پہلے گذر چکی ہیں منجملہ ان کے یہ باتیں بھی استاد کے اندر ہونی چاہیئے کہ اس کے حالات اور صفات بہترین ہوں اور اس کی ذات ہر اس چیز سے جو قرآن نے منع کردی ہیں قرآن کے احترام میں وہ سب سے محفوظ ہو اور دنائت نفس سے پاک ہو، شریف طبیعت ہو، متکبرین اہل دنیا سے اپنے کو اونچا رکھے، صالحین اور اچھے لوگوں کے ساتھ تواضع اور انکساری سے پیش آئے، مساکین و اہلِ خیر کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور سکینت و وقار کے ساتھ متواضع و خاکسار ہو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اے گروہِ قرا، و حفاظِ قرآن تم لوگ اپنے سروں کو اونچا رکھو بیشک تمہارے لئے راستہ واضح ہو گیا ہے، بھلائی کی طرف سبقت کرو اور تم لوگوں پر بوجھ نہ بنو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حفاظِ قرآن کو چاہیے کہ جب لوگ سو رہے ہوں تو وہ اپنی رات کی قدر کریں اور دن کو روزہ دار ہوں جب لوگ نہ روزہ رکھتے ہوں اور غمگین رہیں جبکہ لوگ خوش ہوں اور روئیں جبکہ لوگ ہنستے ہوں اور خاموش رہیں جبکہ بیکار باتوں میں پڑے ہوں، اور خاکسار ہوں جبکہ لوگ تکبر کی وجہ سے مغرور ہوں، حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے بیشک تم سے پہلے کے لوگوں نے قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا پیغام اور خط سمجھ کر اس میں غور و فکر اور تدبر راتوں کو کیا کرتے تھے، اور دن کو اس کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حاملین قرآن کسی ضرورت کی بنا پر بھی خلفاء کے پاس نہ جائیں اور اس پر کم درجہ کے لوگوں کو سمجھ لیا جائے، آپ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ حاملین قرآن اسلامی جھنڈے کے اٹھانے والے ہیں۔ انکو سزاوار نہیں کہ لہو ولعب تک میں شریک ہوں، قرآن مجید کی تعظیم و تکریم اس کی مقتضی ہے۔

(۲۲) **فصل** :- اور سب سے اہم جوبات مامور بہ ہے وہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو قرآن مجید کو ذریعہ گذراوقات کا نہ بنائے، حضرت عبدالرحمٰن بن شبیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن مجید پڑھو اور قرآن کو ذریعہ معاش نہ بناؤ اور قرآن کے ساتھ بُرا سلوک نہ کرو اور نہ قرآن میں غلو کرو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید پڑھو قبل اس کے کہ ایک قوم آئے گی اور قرآن کو سیدھا کرے گی جیسے تیر سیدھا کیا جاتا ہے یعنی جلدی کرے گی دنیا ہی میں قرآن کے بدلا پانے کی اور آخرت پر اٹھا نہ رکھے گی۔ (ابوداؤد)

یعنی وہ لوگ قرآن مجید کے اجر اور ثواب کی جلدی کریں گے، مال، شہرت اور نمائش کے خواستگار رہوں گے،

حضرت فضیل بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے مسجد میں داخل ہوئے، جب امام نے سلام پھیرا تو ایک آدمی نے کھڑے ہو کر قرآن مجید کی آیات پڑھیں اور پھر سوال کیا۔ ان میں سے ایک نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ عنقریب ایک قوم آئے گی اور قرآن کو سوال کا ذریعہ بنائے گی پس جو ایسا کرے اس کو کچھ مت دینا۔

قرآن مجید پڑھا کر تنخواہ لینا کیسا ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابو سلیمان خطابی رحمہ نے علماء کی ایک جماعت جن میں امام زہری اور امام ابو حنیفہ رحمہ بھی ہیں ان سے ممانعت نقل فرمائی ہے اور ایک جماعت علماء کی اس طرف گئی ہے کہ اگر پڑھانے والا شرط کرکے نہیں پڑھاتا تو جو کچھ مل جائے لینا جائز ہے، ان میں حضرت حسن بصری اور امام شعبی اور ابن سیرین ہیں اور اسی طرح عطاء، مالک اور شافعی، اور دوسرے لوگ بھی جواز اجرت کے قائل ہوئے ہیں (اگر اجارہ اور شرائط بطور اجارہ صحیحہ صحیح طور پر طے کرلئے گئے ہیں) جواز اجرت پر احادیث صحیحہ سے بھی روشنی پڑتی ہے، جنہوں نے اجرت لینا منع کیا ہے وہ حضرت عبادہ ابن الصامت رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ اہل صفہ میں سے ایک صاحب نے ایک صاحب کو قرآن مجید کی تعلیم دی اس نے ان کو ایک تیر ہدیہ دیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ تم کو یہ پسند ہے کہ قیامت کے دن آگ کا طوق پہنایا جائے۔ یہ حدیث بہت مشہور ہے جس کی تخریج ابو داؤد نے کی ہے اور سلف کے بہت سے آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے اگرچہ جواب دینے والوں نے حضرت عبادہ ابن صامت رضہ کی روایت کے دو جوابات دیئے ہیں، پہلا جواب یہ دیا ہے کہ اس کی اسناد میں گفتگو ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ کار خیر سمجھ کر تعلیم دیجائے اور کسی چیز کا استحقاق نہ سمجھے، اب اگر کسی شخص نے کوئی چیز عوض کے طور پر دیدیا تو اس کا لینا جائز ہے، کسی نے قبل تعلیم دینے کے بطور ٹھیکہ کے کچھ دینے کا معاہدہ کرلیا تو چنداں مضائقہ نہیں۔

(۲۳) **فصل نمبر (۲۳):-** حافظ قرآن کو چاہیئے کہ قرآن مجید کی تلاوت برابر کرتا رہے اور زیادتی رکھے۔ حضرات سلف کا اس سلسلہ میں مختلف طریقہ رہا ہے ابن ابی داؤد سے مروی ہے کہ بعض سلف رضی اللہ عنہم کا دستور یہ تھا کہ

ہر دو مہینے میں ایک ختم کرتے تھے اور بعض ہر مہینہ میں ایک ختم کیا کرتے تھے، اور بعض ہر دس رات میں ایک ختم کرتے اور بعض آٹھ رات میں ایک ختم اور اکثر سلف سات رات میں ایک ختم کرتے تھے اور بعض چھ رات میں اور بعض پانچ رات میں، اور بعض چار رات میں اور بہت سے حضرات تین راتوں میں ختم کرتے اور بعض دو راتوں میں اور بعض ایک رات اور دن میں ایک ختم کرتے تھے، اور بعض تو ایک رات اور دن میں دو ختم کرتے تھے، بعض تین بھی ختم کر دیتے اور بعض آٹھ ختم کرتے، چار رات کو اور چار دن کو، جو لوگ رات اور دن میں ایک ختم کرتے ان میں حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت تمیم داریؓ اور حضرت سعید بن جبیرؓ، حضرت مجاہدؒ اور امام شافعیؒ اور دوسرے لوگ ہیں، اور بعض حضرات تو تین ختم کرتے تھے جن میں سلیم بن عمر رضی اللہ عنہ قاضی مصر جو حضرت امیر معاویہؓ کی حکومت کے زمانے میں تھے اور روایت کی گئی ہے کہ ابن ابو داؤدؒ رات میں چار قرآن ختم کیا کرتے تھے، ابو عمر کندی نے اپنی کتاب قضاۃ مصر میں بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔ ابو عبد الرحمٰن السلمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے شیخ ابو عثمان مغربیؒ سے سنا ہے فرماتے کہ ابن الکاتبؒ رات کو چار ختم اور دن کو چار ختم کیا کرتے تھے۔ یہ تعداد ہے ان کی جن کے بارے میں رات اور دن میں تلاوت کرنا ذکر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح شیخ احمد دورقیؒ کے بارے میں باسناد منقول ہے کہ آپ ظہر اور عصر کے درمیان میں ایک ختم کر لیا کرتے تھے اور مغرب اور عشاء کے درمیان میں دو ختم کرنا روایت ہے، اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ عشاء کی نماز کو چوتھائی رات تک رمضان میں مؤخر کرتے تھے۔

ابو داؤدؒ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علی ازدی رضی اللہ عنہ رمضان کی ہر رات میں مغرب اور عشاء کے درمیان ختم قرآن کیا کرتے تھے، ابراہیم بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ

میرے باپ اکڑوں بیٹھ کر اور ٹانگوں کو باندھ کر ختم قرآن کیا کرتے تھے۔[۱]

امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے بھی اس طرح کے بہت سے واقعات ذکر فرمائے ہیں۔ البتہ اگر اس طرح کی توجیہ کیجائے کہ یہ تلاوت زبانی نہ تھی بلکہ روحی تھی یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوقات میں برکت دی تھی اور ایسا ہونا ممکن ہے اور انکار نہ کرنا چاہیئے۔ امام غزالیؒ وغیرہم کی کثرت تصنیفات کی معقول توجیہ یہی ہو سکتی ہے کہ اللہ نے ان کے اوقات میں برکت عطا فرمائی تھی۔ واللہ اعلم۔

یہ ایک صحیح علمی و تاریخی تحقیق ہے کہ قرآن مجید عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مدون و مرتب ہو چکا تھا اور صحابہ کرام نے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد بار پڑھا اور سنایا تھا، وہی قرآن ہے جو بجنسہ آج ہمارے پاس محفوظ و موجود ہے، علامہ طبری شیعی بھی مجمع البیان جلد اول میں رقمطراز ہے۔ "ان القراٰن کان علیٰ عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مجموعاً مؤلفاً علیٰ ما هو علیه الاٰن ــ وان جماعة من الصحابة ختموا القراٰن علیه عدة ختمات"۔ اس فیصلہ نے شیعہ سنی کے مناقشے کو ختم کر دیا ہے باقی شرارت ہے۔ چنانچہ ملل ونحل ابن حزم جلد دوم میں یہاں تک موجود ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم کی وفات پا جانے پر ایک لاکھ قرآن کریم مصر عراق، شام، یمن وغیرہ میں پھیلے ہوئے تھے، دور خیر القرون کے برکات ہی کا یہ اثر تھا کہ کم سے کم مدت میں حفظ قرآن کے حیرت انگیز واقعات کو اسماء الرجال کے مطالعہ اور تاریخ میں محفوظ کر دیا گیا ہے، تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ ہشام ابن کلبی نے تین دن میں حفظ قرآن کیا، قسطلانی میں ہے کہ سفیان ابن عیینہ نے چار سال کی عمر میں حفظ کیا۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ قاضی ابو محمد اصفہانی نے پانچ سال کی عمر میں حفظ قرآن کیا، تاریخ الخمیس میں ہے کہ امام شافعیؒ نے سات سال کی عمر میں حفظ قرآن کیا۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ سہل ابن عبداللہ تستری نے چھ سال کی عمر میں حفظ قرآن کیا، حسن المحاظرہ میں ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے آٹھ سال کی عمر میں حفظ قرآن کیا۔ ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

اور جن حضرات نے ایک رکعت میں قرآن مجید کو ختم کیا ہے ان کی تعداد شمار سے زیادہ ہے۔ متقدمین میں حضرت عثمان غنی رضؓ اور حضرت تمیم دارمی اور سعید بن جبیر کا کعبہ کے اندر ایک رکعت میں قرآن پڑھنا ثابت ہے۔

جن بزرگوں نے سات دنوں میں ختم کیا ہے ان کی تعداد تو بہت ہے مثلاً حضرت عثمان بن عفان و حضرت عبداللہ بن مسعود و حضرت زید بن ثابت و حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہم اور تابعین میں عبدالرحمٰن بن یزید و علقمہ و ابراہیم رحمہم اللہ ہیں۔

پسندیدہ بات یہ ہے کہ اشخاص درجال کے حالات کی بنا پر ایسا ہوا ہے یعنی جن حضرات کو دقت نظر اور باریک بینی کی وجہ سے لطائف اور معارف قرآن سے لگاؤ ہو ان کو چاہیے کہ وہ اسی قدر تلاوت کریں جس میں کمال فہم حاصل ہو اور اسی طرح وہ لوگ جو علم کی نشر و اشاعت میں مصروف ہوں اور دین کی مہمات اور عام مسلمانوں کے مصالح پیش نظر ہوں تو وہ اسی قدر تلاوت کریں جس میں مقاصد کو نقصان نہ پہنچے اور جو لوگ ایسے نہ ہوں ان کو چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تلاوت کریں بشرطیکہ وہ تنگی کی حد اور جلد بازی تک نہ پہنچتا ہو، متقدمین کی ایک جماعت نے تو ایک رات اور دن میں ختم قرآن مکروہ سمجھا ہے جس کے ثبوت میں یہ جماعت حدیث صحیح جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم کیا وہ قرآن کو سمجھے گا نہیں، ابوداؤد، ترمذی۔ نسائی وغیرہم نے اس روایت کی تخریج کی ہے، رہ گئی یہ بات کہ جو سات دن میں ختم کرے وہ کب شروع کرے اور کب ختم کرے، ابوداؤد میں روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ قرآن مجید جمعرات کو شروع کرتے تھے اور بدھ کی رات کو ختم کیا کرتے تھے

امام ابو حامد غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ افضل یہ ہے کہ رات میں ایک ختم کرے اور دن میں ایک ختم کیا جائے، اور ختم کرے دن والے قرآن کو دوشنبہ کو فجر کی دو رکعت سنتوں میں اور رات والے کو جمعرات مغرب کی دو رکعتوں میں ختم کرے یا ان کے بعد تاکہ اول و آخر دن کا استقبال ہو جائے، اور ابن ابی داؤد سے مروی ہے کہ عمر بن مرہ تابعیؒ فرماتے ہیں کہ لوگ ختم قرآن کو اول دن اور اول رات میں پسند کرتے تھے، اور طلحہ بن معرف تابعیؒ فرماتے ہیں کہ جو ختم قرآن دن کے کسی حصہ میں کرتا ہے تو شام تک فرشتے اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور اسی طرح رات کے کسی وقت میں قرآن پڑھنا ملائکہ کے استغفار کا باعث ہے اور مجاہد تابعیؒ سے بھی ایسا ہی منقول ہے اور دارمی میں باسناد صحیح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر قرآن مجید دن میں ختم ہوا تو شام تک فرشتے استغفار کرتے ہیں، دارمی فرماتے ہیں کہ حضرت سعد کی روایت حسن ہے اور حبیب بن ابی ثابت تابعیؒ سے منقول ہے کہ وہ قرآن کو رکوع کرنے سے پہلے ختم کرتے تھے ابن ابی داؤد نے فرمایا کہ ایسا ہی امام احمد بن حنبلؒ نے بھی فرمایا ہے۔

(۲۴) فصل نمبر (۲۴): راتوں کو قرآن پڑھنے کی محافظت کے بیان میں

لوگوں کو چاہیئے کہ راتوں کو قرآن مجید کی تلاوت زیادہ کیا کریں خصوصاً تہجد کی نماز میں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	اہل کتاب میں سے ایک فرقہ ہے سیدھی راہ پر پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی راتوں کے وقت اور وہ سجدے کرتے ہیں ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور حکم کرتے ہیں اچھی بات

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَاُولٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِيْنَ ۝	کا اور منع کرتے ہیں بُرے کاموں سے اور دوڑتے ہیں نیک کاموں پر اور وہی لوگ نیک بخت ہیں

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بخاری میں مروی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ بہترین اللہ کا بندہ وہ ہے جو راتوں کی نماز پڑھتا ہے، اور دوسری روایت میں آیا ہے کہ اے عبداللہ فلاں کے مثل نہ ہو جانا کہ رات کی نماز پڑھتا تھا پھر ترک کر دیا اور طبرانیؒ وغیرہم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا شرف رات کی نماز میں ہے، اس بارے میں احادیث اور صحابہ کے آثار بہت ہیں۔

ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ قرآن راتوں کو پڑھو اگرچہ بکری کے دوہنے کی کم مدت میں ہو اور یزید رقاشی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب میں سوتا ہوں اور پھر جگتا ہوں اور پھر سوتا ہوں تو اس کے بعد میری آنکھیں نہیں سوتیں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ رقاشیؒ راتوں کی نماز کو اور اس میں قرآن پڑھنے کو اس وجہ سے ترجیح دیتے تھے کہ اس سے قلب کو سکون ہوتا ہے اور دنیاوی مصروفیتوں سے دوری اور ضروریات کا انتظام خدا کی جانب سے ہوتا ہے اور ریاکاری وغیرہ سے محافظت ہوتی ہے اور شرعی نقطۂ نظر سے راتوں کو بھلائی کی پیداوار ہوتی ہے، کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج راتوں ہی کو ہوئی تھی اور راتوں ہی کو جناب باری تعالیٰ عزاسمہٗ کا نزول آسمانِ دنیا پر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہے کوئی پکارنے اور مانگنے والا کہ میں اسکی

مانگ کو پوری اور قبول کروں[1]، معلوم ہوا کہ راتوں کی نماز اور اس میں قرآن مجید کے پڑھنے سے چاہے کم چاہے زیادہ بڑی فضیلت ہے، تہجد میں جتنا ہی قرآن زیادہ ہوگا فضیلت زیادہ ہوگی ہاں تمام رات ہمیشہ ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے اپنی ذات کو نقصان پہنچے گا، راتوں کو تھوڑے پڑھنے کی وجہ سے بھی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے جیسا کہ حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے دس آیات بھی نماز میں پڑھ لی وہ غافل لوگوں کی فہرست میں نہ لکھا جائے گا اور جس نے سو آیات نماز میں پڑھ لی وہ قانتین میں لکھا جائے گا اور جس نے ہزار آیات کو پڑھی اس کا شمار مقنطین میں ہوگا۔ ابوداؤد۔

ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عباس رضؓ کے بارے میں حکایت کی ہے کہ جس شخص نے رات کو دو رکعت پڑھی اس نے گویا رات گذاری خدا کو رکوع اور سجدہ کرنے میں، سبحان اللہ

---

[1] صحیح بخاری میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رات میں ایک ساعت ایسی آتی ہے کہ تمام رات کی ہر دعا ضرور مقبول ہوتی ہے، چنانچہ صاحب بہجۃ الاسرار سلیمان انماطی باسناد روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں سہ

لولا الذین لھم ورد یقومونا ✤ وآخرون لھم سرد یصومونا

اگر ایسے لوگ موجود نہ ہوتے جو راتوں کو یاد الہٰی میں مشغول رہتے ہیں اور ایسے ہی دوسرے لوگ جو برابر روزے رکھتے ہیں۔

لدکدکت ارضکم من تحتکم سحرا ✤ لانکم قوم سوء لا تطیعونا

تو تمہارے پاؤں تلے کی زمین بوقت سحر متزلزل ہوجاتی کیونکہ تم لوگ نافرمان ہو۔

(۲۵) فصل نمبر ۲۵ :- قرآن مجید کی برابر تلاوت کرنے کے حکم اور بھول جانے کی خرابی کے بیان میں

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ثابت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اس قرآن کی تلاوت کے ذریعہ محافظت کرتے رہو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ قرآن اتنی جلد نکل جاتا ہے جس طرح اونٹ مہار کے نہ رہنے پر اپنی قیام گاہ سے بھاگ جاتا ہے، دوسری روایت میں صحیح کے اندر آیا ہے کہ حافظ قرآن کی مثال اس اونٹ کی مثال ہے کہ اگر اس کو باندھ کر رکھا جائے ٹھہرا رہے گا اور چھوڑ دیا گیا تو بھاگ کھڑا ہوگا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کے اچھے کاموں کو مجھ پر پیش کیا جاتا ہے یہاں تک کہ مسجد میں جھاڑو وغیرہ دے کر جو گرد و غبار پاک کیا جاتا ہے وہ بھی، اسی طرح امت کے برُے کاموں کو بھی پیش کیا جاتا ہے، مجھ کو امت کا کوئی کام اتنا برا نہیں معلوم ہوتا جتنا کہ قرآن کی ایک سورۃ یا آیت کو یاد کرکے اس کو بھلا دینا ، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قرآن پڑھا اور پھر بھلا دیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے جذامی کی صورت میں ملے گا[1]

---

[1] سورۂ طٰہٰ کی آیات ومن اعرض عن ذکری الخ وکذلک الیوم تنسیٰ تک پڑھ جایئے صاف اشارہ ہو رہا ہے کہ جو شخص قرآن کو پاکر بھولا رہا نہ اس پر عمل کیا اور نہ تلاوت کی یعنی سب سنی ان سنی کردی اس کے مناسب سزا ملنے اور اندھا اور کوڑھی اٹھائے جانے پر تعجب کیوں ؟ قرآن حفظ کرکے بھلا دینے والوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے ۱۲

(۲۶) فصل نمبر ۲۶ :- جس شخص نے اپنے رات کے وظیفہ کو نہیں پڑھا اور سو گیا اس کے بیان میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے وظیفہ کے پڑھنے سے پہلے سو گیا تو اس کو چاہیے کہ نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان ادا کرے، اللہ کے یہاں یہ بھی رات کے پڑھنے والوں میں لکھ لیا جائے گا۔ (مسلم)

حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنے ورد اور وظیفہ کے پڑھنے سے پہلے رات کو سو گیا یہاں تک کہ صبح ہو گئی تو میں نے انا للہ پڑھا وہ وظیفہ سورۂ بقرہ کا تھا، رات کو خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ سورۂ بقرہ مجھ کو کھونچا لگا رہی ہے، بعض حفاظ قرآن کے بارے میں ابن ابی الدنیا نے بیان کیا ہے کہ وہ اپنے معمول و وظائف کے ادا کرنے سے پہلے سو گئے تو کیا دیکھتے کہ کہنے والا خواب میں یہ دو شعر پڑھ رہا ہے ؎

عجبت من جسم و من صحته ٭ و من فتیً نام الی الفجر

والموت لا یؤمن خطفاتہ ٭ فی ظلم اللیل اذا یسری

ترجمہ :- ایسا شخص جسے خدا نے صحت جسمانی عطا کی ہے وہ فجر تک سوتا رہے حد درجہ تعجب خیز ہے، حالانکہ وہ موت کی اچک سے گھٹا ٹوپ تاریکی میں بھی محفوظ نہیں ہے۔

چھٹا باب ۶

قرآن کے آداب میں

یہ باب گویا کتاب کا مقصود ہے اور دور تک پھیلا ہوا ہے جس کے اطراف و جوانب پر ہم مختصراً اشارہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ قاری کو طول بیان سے پریشانی نہ ہو قرآن مجید کے پڑھنے والے پر واجب ہے کہ اس کے اندر اخلاص ہو جیسا کہ اوپر ہم نے ذکر کیا ہے، قرآن مجید کے آداب کی رعایت ضروری ہے اور یہ چیز سب سے زیادہ ضروری ہے کہ تلاوت کرنے والا اپنے جی میں یہ خیال کرے کہ اللہ رب العزت سے ہم کلام ہو رہا ہے اور پڑھنے میں یہ خیال بھی رکھے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں اگرچہ ہم خدا کو اس دنیا میں نہیں دیکھ رہے ہیں۔

(۲۷) **فصل نمبر ۲۷** :۔ قرآن مجید پڑھنے سے پہلے اپنے منہ کو مسواک وغیرہ سے صاف کرلینا چاہیئے اور پسندیدہ مسواک اراک کی لکڑی کی ہے، یوں تو تمام لکڑیوں سے مسواک کرنا جائز ہے حتیٰ کہ موٹے کپڑے سے بھی منہ کو صاف کیا جاسکتا ہے اور موٹی اور سخت انگلی سے بھی۔ مسواک کے بارے میں شوافع رحمہم اللہ نے تفصیل کی ہے، مشہور یہ ہے کہ اس سے مسواک کا ثواب حاصل نہ ہوگا، دوسرا قول یہ ہے کہ ہوگا اور تیسرا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی دوسری چیز مسواک کے لئے نہ ہو تو انگلی سے بھی ثواب ہوگا اور پہلے داہنے منہ کی طرف سے مسواک شروع کیجائے اور نیت سنت کی بھی ہو اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مسواک کرتے وقت اللّٰھم بارک لی فیہ یا ارحم الراحمین پڑھ لے، اصحاب شافعی میں سے امام وردی ؒ نے فرمایا ہے کہ مستحب ہے کہ مسواک ان دانتوں میں

ہو جو ظاہر اور باطن میں ہوں البتہ مسواک کو اور دانتوں کے اطراف میں گھوما دیا جائے اور ڈاڑھ اور دانتوں کے تمام ارد گرد نرم طریقہ سے اور مسواک کی لکڑی نہ زیادہ تر ہو اور نہ زیادہ خشک ہو، اگر زیادہ سخت ہو تو پانی سے بھگو لیا جائے اور کسی دوسرے کی مسواک اس کی اجازت کے بغیر استعمال نہ کی جائے اگر منہ خون وغیرہ سے نجس ہو تو بغیر دھوئے ہوئے ہرگز قرآن نہ پڑھا جائے کیا ایسا کرنا حرام ہے ؟ امام رویانیؒ جو اصحاب شافعی سے ہیں وہ اپنے والد سے اس مسئلہ کے بارے میں دو رائیں بیان کرتے ہیں، صحیح یہ ہے کہ حرام نہیں ہے [1]

(۲۸) **فصل نمبر ۲۸** : مستحب ہے کہ قرآن مجید طہارت کے ساتھ تلاوت کیا جائے ، اگر بلا وضو بھی پڑھا جائے تو جائز ہے، اور اس مسئلہ میں اجماع ہے جن کی تائید میں بکثرت روایات ہیں، امام الحرمینؒ نے فرمایا ہے کہ بلا وضو قراءت قرآن کو مکروہ نہ کہا جائے بلکہ ایسا شخص افضلیت کا مالک ہے، اگر پانی نہ ملے تو تیمم کر لیا جائے، مستحاضہ عورت کا حکم محدث کا حکم ہے، البتہ جنبی اور حائضہ کے لئے قرآن مجید کی تلاوت حرام ہے چاہے ایک آیت یا اس سے زیادہ ہو۔ ہاں قرآن مجید کے الفاظ کو زبان سے ادا کئے بغیر دل پر جاری کرنا جائز ہے اور اسی طرح قرآن مجید کے دیکھنے اور دل پر گذارنے کا بھی جواز ہے، اور تمام مسلمانوں کا یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ تسبیح یعنی سبحان اللہ اور لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر اور الحمد للہ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف وغیرہ اذکار کا جنبی اور حائضہ کے لئے زبان سے کہنا بھی جائز ہے، شوافع تو یہاں تک

---

[1] اگر منہ خون سے نجس ہو تو ہرگز قرآن نہ پڑھا جائے، یہی صحیح رائے ہے، نجاست کے ساتھ قرآن پڑھنا حرام ہے ۱۲ (اصلاحی)

فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کسی سے کہا خذ الکتاب بقوۃ اور اس سے قرارت غیر قرآن مراد ہو تو ایسا کہنا جائز ہوگا اور اس کے مشابہ جو ہو، اور جنبی اور حائضہ کو جائز ہے مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون، بغیر ارادۂ تلاوت قرآن زبان سے کہدینا۔ خراسانی شوافع نے کہا ہے کہ سواری پر سوار ہوتے ہوئے سُبْحَانَ الَّذِی سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَهُ مُقْرِنِیْنَ ہ یا رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ کا بغیر قصدِ تلاوت قرآن مجید پڑھنا مذکورہ بالا اشخاص کو جائز ہوگا، امام الحرمین نے فرمایا ہے کہ اگر جنبی بسم اللہ یا الحمد للہ کہے اور قصد قرآن کا کرے تو گنہگار ہوگا اگر صرف ذکر کا ارادہ کرے اور دوسرا ارادہ نہ ہو تو گنہگار نہ ہوگا، ہاں وہ آیات جو منسوخ التلاوت ہو چکی ہیں ان کا پڑھنا جائز ہوگا۔ جیسے کالشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھا البتتہ۔

(۲۹) **فصل نمبر ۲۹**:۔ جنبی اور حائضہ جب پانی نہ پائے تو تیمم کرے اس کو نماز پڑھنا اور قرأت وغیرہ کرنا مباح ہے پس اگر حدث ہو گیا نماز پڑھنا حرام ہو گیا اور قرأت حرام نہیں ہوئی اور نہ مسجد وغیرہ میں بیٹھنا محدث کو حرام ہوگا جیسے کسی نے غسل کیا اور پھر حدث ہو گیا۔ کہا گیا ہے کہ جنابت میں نماز تو پڑھنا منع ہے اور قرآن کا پڑھنا منع نہیں ہے تو اس کی صورت کیا ہے؟ اس کی صورت وہی ہے جو ذکر ہوئی کہ کوئی فرق نہیں ہے حضر اور سفر میں جنبی کے تیمم کر لینے میں اور بعض اصحاب شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اس نے جب حضر میں تیمم کیا تو اس کو نماز پڑھنا مباح ہوگا اور وہ نماز کے بعد کچھ بھی نہیں پڑھ سکتا اور نہ مسجد میں بیٹھ سکتا ہے، صحیح یہ ہے کہ جائز ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے ہاں اگر تیمم کیا اور نماز پڑھا اور قرآن بھی پڑھا پھر پانی نظر آیا تو اس کا استعمال

ضروری ہو جائے گا اور اس کو قراءت کرنا حرام ہوگا اسی طرح جس طرح تمام چیزیں
جنبی کو حرام ہوا کرتی ہے اور اگر تیمم کیا اور نماز پڑھی اور قراءت کی اور پھر ارادہ کیا
تیمم کا حدث کی وجہ سے یا کسی دوسرے فریضہ کے لئے تو ایسی صورت میں اس پر
قراءت کرنا صحیح اور مختار مذہب کی بنا پر حرام نہ ہوگا اور اس مسئلہ میں بعض اصحاب
شافعی عدم جواز کے قائل ہیں، پہلا مذہب مشہور ہے لیکن جب جنبی پانی نہ پائے اور
مٹی پلئے تو اس کو چاہیئے کہ نماز کی عظمت کو مدنظر رکھتا ہوا نماز اسی طرح پڑھ لے
البتہ نماز کے علاوہ اس کو قرأت کرنا حرام ہوگا اور سورۂ فاتحہ سے زائد کا پڑھنا
بھی حرام ہوگا، کیا سورۂ فاتحہ کا پڑھنا جنبی کے لئے مذکورہ اسباب کی بنا پر جائز
ہوگا؟ اس میں دو صورتیں ہیں، صحیح اور مختار یہ ہے کہ حرام نہیں ہے بلکہ واجب
ہے اس لئے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی ہے اور جب کسی ضرورتِ
خاص کی بنا پر نماز جائز ہوگی باوجود جنابت کے تو قرائت قرآن بھی جائز ہوگی
دوسرا مذہب یہ ہے کہ ناجائز ہوگا بلکہ ذکر اذکار کر سکتا ہے جس طرح قرآن مجید
نہ یاد رکھنے کی بنا پر اس کے پڑھنے سے عاجز ہوتا ہے پس ایسا شخص شرعی عاجز
ہے، صحیح اور ٹھیک مذہب پہلا ہے۔ ان مسائل فرعی کو ہم نے اس لئے ذکر
کیا کہ اس کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے مختصر عبارت میں اس کو ذکر کر دیا ہے
ورنہ تفصیلی دلائل امہات کتب فقہ میں موجود ہیں۔

(۳۰) **فصل نمبر ۳۰** :۔ قرآن مجید کی تلاوت نہایت پاک اور بہتر جگہ میں
ہونی چاہیئے، اس لئے علماء کی جماعت نے مسجد میں قرآن پڑھنے کو مستحب
فرمایا ہے کیونکہ پاکی اور جگہ کی عظمت وغیرہ فضائل بھی اس کے اندر ہیں، اور
دوسری فضیلت اعتکاف وغیرہ کی بھی وہاں پائی جاتی ہے، ہر وہ شخص جو مسجد
میں بیٹھے اس کو اتنی دیر کے لئے اعتکاف کا ارادہ کر لینا مستحب ہے، چاہیے

کم بیٹھے یا زیادہ، بہتر تو یہ ہے کہ جب مسجد کے اندر داخل ہو اعتکاف کی نیت کرلے، یہ ادب ایسا ہے کہ اس کو ہر چھوٹے بڑے کو اختیار کرلینا چاہئے جس سے لوگ حد درجہ غافل ہیں۔ حمام کے اندر قرأت قرآن کے بارے میں علماء سلف کے اندر کراہت میں اختلاف ہے، ہمارے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے اور اس کو امام ابوبکر بن المنذر جن کی جلالت شان متفق علیہ ہے، اشراف میں ابراہیم نخعیؒ اور مالکؒ وغیرہ سے نقل فرمایا ہے اور یہی عطاء کا بھی مذہب ہے اور ایک جماعت اس کی کراہت کی قائل ہے جن میں حضرت علیؓ سے ابن ابی داؤد نے روایت کیا ہے اور ابن المنذر نے تابعین کی ایک جماعت جن میں ابو وائل شقیق ابن سلمہ اور شعبی اور حسن بصری، ومکحول و قبیصہ بن ذویب سے حکایت کی ہے اور ہم نے ابراہیم نخعیؒ سے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے اور اس کو ہمارے اصحاب نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم سے بھی حکایت کیا ہے۔

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ قرارت قرآن تین جگہوں میں مکروہ ہے، حمامات میں اور گندگی کی جگہوں جیسے پیشاب و پاخانہ کے مقامات پر اور جہاں چکی چل رہی ہو، ابومیسرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اللہ کا ذکر صرف پاک جگہ پر ہو۔

البتہ راستہ میں قرآن مجید کا پڑھنا سو یہ پسندیدہ مذہب کی بناء پر غیر مکروہ ہے جبکہ پڑھنے والا بھولے نہیں کیونکہ اس کی ممانعت آئی ہے، اسی طرح جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونگھنے والے کو خلط ملط ہو جانے کے خوف سے روک دیا ہے، ابوداؤد نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ راستہ میں قرآن پڑھتے تھے۔ فرمایا ابن ابی داؤد نے کہ مجھ سے حدیث بیان کی ابوالربیع نے کہا ہم سے جرذی ابن وہب نے کہ میں نے امام مالکؒ سے پوچھا ایسے شخص کے بارے میں جو تہجد کے وقت میں قرآن پڑھتا تھا اور پھر وہ مسجد کی طرف چلا جو قرأت

باقی رہ گئی تھی کیا وہ پڑھ سکتا ہے؟ امام مالکؒ نے فرمایا کہ راستہ میں قرارت کرنے کو میں نہیں جانتا اس کو مکروہ سمجھا۔ یہ اسناد بہت صحیح طور پر امام مالکؒ سے منقول ہے۔

(۳۱) **فصل نمبر ۳۱**:۔ قرآن مجید پڑھتے وقت مستحب یہ ہے کہ قبلہ رو ہو کر تلاوت کرے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ بہترین مجلس وہ ہے جو قبلہ رُو ہو، قاری خضوع اور خشوع کے ساتھ سکینت اور وقار کے ساتھ سر نیچا کئے ہوئے ہو، اور اس کی نشست ویسی ہی ہو جس طرح وہ اکیلا معلم کے سامنے ادب سے بیٹھا کرتا تھا یہ کامل طریقہ تلاوت کا ہے، اگر کھڑے ہو کر یا لیٹ کر یا بچھونے وغیرہ پر تلاوت کی جائے تو بھی جائز ہے اور اس میں بھی ثواب ہے لیکن پہلے سے کم اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ۔	بیشک زمین اور آسمان کی بناوٹ اور رات اور دن کی ادلی بدلی میں بہترین نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے ہوئے اور غور کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں۔

اور حدیث صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرہ میں تکیہ لگائے ہوئے قرآن پڑھتے تھے اور میں حیض سے ہوتی تھی، ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ قرآن مجید پڑھتے تھے اور آپ کا سر میرے حجر میں ہوتا تھا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا میں قرآن کو نماز اور اپنے بستر پر پڑھتا ہوں اور حضرت

عائشہ کی روایت میں ہے کہ میں اپنے وظائف کو پڑھتی تھی اور تخت پر لیٹی ہوئی رہتی تھی۔

(۳۲) **فصل نمبر ۳۲** :- جب قرآن مجید کی تلاوت شروع کرے تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم سے شروع کیا جائے جیسا کہ جمہور علماء کا طریقہ چلا آرہا ہے۔ بعض علماء کا مسلک یہ ہے کہ تلاوت کے بعد اعوذ باللہ الخ پڑھا جائے، ان کا استدلال یہ ہے:

فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ پس جب قرآن پڑھا جائے تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ لیا جائے۔

جمہور علماء اس آیت کی اس طرح توجیہ کرتے ہیں کہ معنیٰ یہ ہیں کہ جب تو تلاوت کا ارادہ کرے تو اعوذ باللہ سے شروع کر، سلف میں ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم، اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے مگر بہتر اور پسندیدہ طریقہ اعوذ باللہ الخ پڑھنا ہے واجب نہیں ہے، چاہے قاری نماز میں پڑھے یا نماز سے علاحدہ۔ اور نماز میں ہر رکعت کے ساتھ اعوذ باللہ پڑھنا صحیح طور پر حسب تصریح نووی اس میں دو رائے ہیں، ان کے اصحاب کی۔ دوسری رائے یہ ہے کہ پہلی رکعت میں پڑھنا مستحب ہے، اگر پہلی میں چھوڑ دیا تو دوسری میں پڑھے، اور نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر میں اعوذ باللہ شوافع کے یہاں مستحب ہے صحیح قول کی بنا پر۔

اور قاری کو سزاوار ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سوائے سورۂ براۃ کے سب میں بسم اللہ سے شروع کرے، اکثر علماء بسم اللہ کو بھی ایک آیت مانتے ہیں اور قرآن میں اس کا ہر سورۃ پر لکھا ہونا ثابت ہے سوائے سورۂ برائت کے پس جب بسم اللہ پڑھا تو متعین طور پر بسم اللہ سے ختم قراءت اور سورہ سمجھی جائے گی

اور جب بسم اللہ نہ پڑھا تو بعض قرآن کا تارک اکثر کے نزدیک ہو جائے گا، پس جب قرات قرآن وظیفہ کے طور پر سات دن میں ختم یا اور دوسری صورتوں کی شکل میں ہو جیسے وقف[1] وغیرہ تو بسم اللہ پر خیال رکھنا اکثر کے نزدیک ضروری ہے تاکہ ختم قرآن کا صحیح طور پر اندازہ ہوتا رہے اس لئے کہ جب بسم اللہ کو چھوڑ رکھے گا تو پھر وہ کسی چیز پر وقف کرنے کا مستحق نہ ہوگا یہ اس کے نزدیک ہے جو بسم اللہ کو ہر سورہ کے شروع کی آیت مانتا ہے یہ نکتہ عمدہ ہے چاہیئے کہ اس کی اشاعت کا خیال رکھے۔

(۳۳) **فصل نمبر ۳۳** :- جب بھی قرآن مجید کی تلاوت شروع کی جائے تو خشوع اور خدا کا خوف ہو اور قرآن پر غور اور تدبر قرأت کے وقت ہوتا رہے جس کے دلائل بہت زیادہ اور مشہور ہیں اتنے زیادہ کہ اب اس کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس سے قلب میں اطمینان پیدا ہو کر روشنی آجائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ	انھوں نے قرآن پر کیوں نہیں تدبر کیا۔
کِتَابٌ اَنْزَلْنَاہُ اِلَیْکَ مُبَارَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْا اٰیَاتِہٖ۔	یہ قرآن ایک بابرکت کتاب ہے ہم نے اس کو تیری طرف اتارا تاکہ لوگ غور کریں اس کی آیتوں میں۔

احادیث بھی تدبر قرآن پر بہت آئی ہیں اور سلف کے اقوال بھی اس سلسلہ میں مشہور ہیں بلکہ یہاں تک آیا ہے کہ سلف کی ایک جماعت نے تلاوت اور اس پر تدبر کرنے میں پوری رات گذار دی، اور سلف کی ایک جماعت بیہوش ہو جاتی تھی

---

[1] وقف کی تشریح یہ ہے کہ مثلاً سورہ بقرہ شروع کیا اور صرف ایک پارہ پڑھ کر تلاوت ختم کر دی اب پھر جب اسی دن یا دوسرے دن تلاوت شروع کرے تو بسم اللہ ضرور کرے۔ واللہ اعلم

اور کتنے حضرات کو اس حالت میں موت آگئی۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہم کو بہز ابن حکیم سے روایت پہنچی کہ زرارہ ابن اوفی جو جلیل القدر تابعی تھے نماز فجر میں آیت فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ فَذٰلِکَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ[1] پر پہنچے تو زرارہ زمین پر مردہ ہو کر گرے اور ان کے اٹھانے والوں میں بہز رضی اللہ عنہ تھے۔ اس طرح احمد ابن ابی الحواری رضی اللہ عنہ جو ریحانۃ الشام کے نام سے یاد کئے جاتے تھے ابو القاسم جنید رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا تو چیخ مارتے اور بیہوش ہو جاتے۔

ابن ابی داؤد نے کہا ہے کہ قاسم بن عثمان الجونی رضی اللہ عنہ ابن ابی الحواریؒ کے منکر تھے حالانکہ جونی بڑے فاضل اور محدثین اہل دمشق میں ممتاز تھے جن کو ابن ابی الحواری پر فضیلت تھی، اسی طرح ابو الجوزا، اور قیس ابن جبیر وغیرہم نے ان کا انکار کیا ہے، امام نواویؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ ان پر انکار نہ کیا جائے۔ اگر مکاری سے ایسا ہوا ہے تو ضرور ان کا انکار ہو گا۔ حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ نے خوب بات فرمائی ہے کہ دل کی دوا پانچ چیزیں ہیں (۱) غور اور پورے تدبر کیساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرنا (۲) خالی پیٹ ہونا یعنی کم کھانا (۳) رات میں پچھلے پہر کی نماز پڑھنا (۴) صبح کو تضرع اور زاری کرنا (۵) نیکو کار اور صالح لوگوں کی صحبت اختیار کرنا۔

(۳۴) **فصل نمبر ۳۴**:- ایک ہی آیت پر بار بار تدبر کرتے رہنا مستحب ہے گذشتہ فصل میں تدبر کرنے کے بارے میں مفصل ذکر ہو چکا ہے، نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہی آیت کو بار بار دہراتے رہنا یہاں تک کہ

---

[1] پھر جب صور پھونکا جانے لگے پھر وہ دن مشکل دن ہے۔

صبح ہوجاتی نسائی اور ابن ماجہ نے ذکر کیا ہے وہ آیت یہ ہے اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ الخ [1] اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ آیت اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ [2] کو رات بھر پڑھتے ہی رہے اور صبح ہوگئی۔

(۳۵) فصل نمبر ۳۵ :۔ قرآن مجید کی تلاوت میں رو دینے کا ذکر۔

اس سے پہلے کی دو فصلوں میں لوگوں کے رو دینے کا ذکر اور بار بار ایک ہی آیت کو دہرانا گزر چکا ہے جو عارفین اور اللہ والوں کی صفات پر دلالت کرتا ہے اور وہی طریقہ صلحاء امت کا رہا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا۔ ترجمہ:۔ اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور زیادہ ہوتی ہے عاجزی ان کی۔

اور اس سلسلہ میں کثرت سے احادیث اور سلف صالحین کے آثار منقول ہیں

---

[1] ترجمہ آیت سورۂ مائدہ یہ ہے اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو ان کو معاف کرے تو تو ہی ہے زبردست حکمت والا، یعنی آپ اپنے بندوں پر ظلم اور بے جا سختی نہیں کر سکتے، اس لئے اگر ان کو سزا دیں گے تو عین عدل و حکمت پر مبنی ہوگا اور فرض کیجئے معاف کر دیں تو یہ معافی بھی از راہِ عجز و سفہ نہ ہوگی، چونکہ آپ عزیز یعنی زبردست اور غالب ہیں اس لئے کوئی مجرم آپ کے قبضۂ قدرت سے نکل کر بھاگ نہیں سکتا کہ آپ اس پر قابو نہ پا سکیں۔

اور چونکہ حکیم یعنی حکمت والے ہیں اس لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی مجرم کو یوں ہی بے موقع چھوڑ دیں۔ بہرحال جو فیصلہ آپ ان مجرموں کے حق میں کریں گے وہ بالکل حکیمانہ ہوگا حضرت مسیحؑ کا یہ کلام محشر میں ہوگا، عزیز و حکیم کی بلاغت قرآن اہلِ علم کے لئے لائق غور ہے۔

[2] کیا خیال رکھتے ہیں جنھوں نے کمائی ہے برائیاں کہ ہم کر دیں گے برابر ان لوگوں کے جو یقین لائے اور کئے بھلے کام۔ سورہ جاثیہ

ان میں سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے قرآن مجید پڑھو اور رؤ پس اگر رونا نہ آئے تو رونے کی شکل بناؤ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیا ہے کہ آپ نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھائی اور سورۂ یوسف پڑھی اور رو پڑے یہاں تک کہ آنسو آپ کے گلے تک بہہ پڑا۔ اور ایک روایت میں آپ ہی کے بارے میں یہ بھی آیا ہے کہ عشاء کی نماز میں آپ نے ایک ہی آیت کو بار بار دہرایا اور ایک دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ لوگوں نے رونے کی آواز کو صف کے پیچھے سے سنا اور حضرت ابو رجاء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ کی آنکھوں کے نیچے آنسوؤں کی لڑی بندھ گئی تھی، اور ابو صالح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل یمن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور قرآن پڑھنے لگے اور رونے لگے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ بھی ایسا ہی کرتے ہیں، اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے بعض وقت حضرت سیرین رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز رات کو سنی جو نماز میں تھے۔

بہت زیادہ واقعات سلف صالحین کے اس بارے میں ہیں ہم اتنے ہی پر بس کرتے ہیں، حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ قرآن پڑھنے کے وقت رونا مستحب ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دل کو غم اور خوف سے پوری طرح بھرے اور وعید اور جو دھمکیاں وارد ہیں ان کو خیال کرے اور اس پر پورا یقین رکھے کہ یہ سب ہونے والا ہے اس کے بعد اپنے گناہوں کو سوچے اور اگر دل حاضر نہ ہو اور حزن اور رنج نہ پیدا ہو جیسا کہ خواص کا حال ہوا کرتا ہے تو اپنے حال پر رونا چاہیئے کیونکہ اللہ کے خوف سے دل نہ لرزے یہ سب سے بڑی مصیبت ہے۔ اے اللہ اپنا ڈر ہمارے دلوں میں ڈالدے۔

(۳۶) فصل نمبر ۳۶ :- قرآن مجید کو نہایت ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا ضروری ہے اور تمام علماء حق کا اس بات پر اتفاق بھی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا۔

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پڑھنے کی حالت بیان فرماتی ہیں کہ ٹھہر ٹھہر کر آپ پڑھتے کہ ہر آیت اور حروف واضح ہوتے رہتے، جس کو ترمذی، نسائیؒ، ابو داؤد نے ذکر کیا ہے اور اس روایت کو ترمذی حسن صحیح فرماتے ہیں اور معاویہ بن قرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے دن اونٹنی پر سوار دیکھا کہ آپ سورۂ فتح کی بار بار تلاوت فرما رہے تھے جس کو صحیحین نے ذکر کیا ہے اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ایک سورت کا ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا میرے نزدیک پورے قرآن کے پڑھنے سے بہتر ہے، اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے فتویٰ پوچھا گیا کہ دو آدمیوں میں سے ایک نے سورہ بقرہ اور آل عمران کو پڑھا اور دوسرے نے صرف سورہ بقرہ کو اور رکوع، وسجدہ ایک ہی طرح تھا کیا دونوں برابر ہیں؟ فرمایا کہ جس نے صرف سورہ بقرہ کی تلاوت کی وہی افضل ہے، اور اس لئے جلدی جلدی پڑھنے کی ممانعت آئی ہے اسی کو ھذرمہ کہتے ہیں یعنی نرمی سے چپکے پڑھنا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ میں ایک رکعت میں مفصل کو پڑھتا ہوں آپ نے فرمایا کیا اسی طرح قرآن پڑھتے ہو یہ تو شعر کا پڑھنا ہوا بے شک قومیں قرآن پڑھیں گی اور ان کے گلے سے قرآن نیچے نہ اترے گا، لیکن جب قرآن دل میں بیٹھ جاتا ہے اور جگہ کر لیتا ہے تو اس میں نفع ہوتا ہے، اس کو بھی صحیحین نے ذکر کیا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ ترتیل مستحب ہے یعنی قرآن کو رُک رک کر ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا تدبر کرنے اور نہ کرنے دونوں میں مستحب ہے۔ اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو اس کے معنی کو نہیں سمجھتا ہے اس کے لئے مستحب ہے، یہ چیز قرآن کی عزت و توقیر کے زیادہ قریب ہے اور دل پر اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔

(۳۷) **فصل نمبر ۳۷**:۔ مستحب ہے کہ جب تلاوت کرتے وقت کسی آیت رحمت پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم کا سوال کرے اور جب کسی عذاب کی آیت پر گذرے تو عذاب سے پناہ مانگے یا یوں دعا کرے :۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ اَوْ اَسْأَلُكَ الْمُعَافَاتَ مِنْ كُلِّ مَكْرُوْهٍ

یا اسی کے مثل کوئی دُعا مانگے اور جب کسی آیت تنزیہ پر پہنچے تو کہے سبحانہ وتعالیٰ وتبارک وتعالیٰ، او جلت عظمۃ ربنا۔ حضرت حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر مروی ہے کہ میں نے ایک رات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے سورہ بقرہ پڑھنا شروع کیا۔ میں نے جی میں کہا کہ سو آیتوں پر آپ رکوع فرمائیں گے، پھر دوسری رکعت میں بھی یہی خیال ہوا یہاں تک کہ آپ نے سورۂ آل عمران شروع فرمائی پھر سورۂ نساء پھر سورہ آل عمران آپ نے خوش الحانی سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا اور جب کسی آیت رحمت پر پہنچتے تو اگر آیت تسبیح کی ہوتی تو سبحان اللہ کہتے اور جب سوال کی آیت ہوتی تو سوال فرماتے اور جب پناہ مانگنے کی آیت پر گذرتے تو پناہ مانگتے (مسلم) اس وقت تک سورۂ نساء سورہ آل عمران پر مقدم تھی۔

امام نواوی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کا مذہب ہے کہ مستحب ہیں یہ تمام باتیں ہر قاری پر جو نماز میں پڑھے یا نماز سے خارج تلاوت کرے وہ لوگ کہتے ہیں کہ امام کی نماز میں منفرد اور مقتدی کیلئے بھی مستحب ہے کیونکہ دعا ہے اس لئے

سب برابر ہیں جس طرح سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہتے ہیں اور یہ جو سوال اور استخارہ کو ہم نے مستحب قرار دیا ہے یہی امام شافعیؒ کا اور جمہور علماء رحمہم اللہ کا مذہب ہے البتہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اس کو نماز فرض میں مکروہ فرماتے ہیں اور حق جمہور کے ساتھ ہے۔

(۳۸) **فصل نمبر ۳۸**:۔ احترام قرآن کے بارے میں جو تاکید اور اعتنا کیا گیا ہے اس میں بہت سے غافل اور ناواقف لوگ غفلت برتتے ہیں ان میں سے تلاوت قرآن کے وقت ہنسنا اور درمیان میں باتیں کرنا، لغو بولنا وغیرہ ہے اگر ایسی ضرورت پیش آجائے کہ بولنا ضروری ہو اور مجبوری ہو تو چنداں مضائقہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم ہو، اور چاہیئے کہ اس چیز کی اقتدا کیجائے جس کو ابن ابی داؤد نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق روایت کیا ہے کہ جب ابن عمرؓ تلاوت فرماتے تھے تو درمیان قرأت میں نہیں بولتے تھے، یہاں تک کہ جتنا پڑھنا ہوتا پڑھ کر فارغ ہوجاتے اور بخاری نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، لم یتکلم حتی یفرغ منه، اس کو کتاب التفسیر آیت نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ" میں ذکر فرمایا ہے، اس میں ہاتھوں کو عبث طور پر ادھر اُدھر لے جانا وغیرہ بھی ہے کیونکہ تلاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ سے مناجات اور سرگوشی کرتا ہے اور اسی میں سے لہو اور غافل کرنے والی چیزوں کی طرف نظر کرنا بھی ہے اور ذہن بھی پراگندہ ہوجاتا ہے اور وہ تمام چیزیں اس سلسلہ میں بُری ہیں جن کی طرف نظر نہ کرنا چاہیئے جیسے امرد یعنی بن بیاہے لڑکے وغیرہ، کیونکہ خوبصورت لڑکے کی طرف نظر بلا ضرورت شرعی حرام ہے چاہے شہوت سے ہو یا بلا شہوت، فتنہ سے محفوظ ہو یا نہ ہو، علماء کے

نزدیک صحیح مذہب میں حرام ہے اور امام شافعیؒ سے اس بارے میں نص صریح ہے اور بہت سے علماء بھی اس طرف گئے ہیں اور ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ" ہے یہ بھی عورتوں کے حکم میں ہیں کیونکہ بہت سے لڑکے عورتوں سے زیادہ خوبصورت ہوتے ہیں اور ایسا شخص مشکوک خیال کیا جاتا ہے اور اس کے بارے میں برائی کا خیال لانا آسان ہوجاتا ہے، اس لئے اس کی تحریم عورتوں کی تحریم سے زیادہ ہے اور اس بارے میں سلف صالحین کے اقوال بہت زیادہ موجود ہیں بلکہ سلف نے امرد کی طرف نظر کرنے کو گندگی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ شرعاً گندگی ہے لیکن خرید وفروخت کے وقت نظر کرنا لینا، دینا اور تعلیم وغیرہ تو یہ چیزیں ضرورتاً جائز ہیں، لیکن دیکھنے والا محض بضرورت دیکھے اور برابر نظر نہ کرتا رہے۔ یہی حال استاد کا بھی ہے کہ وہ ضرورتاً دیکھے، ورنہ شہوت سے دیکھنا سب کے لئے حرام ہے اسی طرح جس طرح عام لوگوں کو عورتوں وغیرہ کی طرف نظر کرنا جائز نہیں ہے سوائے اپنی بیوی اور لونڈی کے اور قرآن کی تلاوت کے وقت حاضرین مجلس پر ایسی منکر چیزوں کا روکنا جائز ہے جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے ہاتھ سے یا پھر زبان سے یا پھر دل سے بُرا سمجھے۔ واللہ اعلم

(۳۹) **فصل نمبر ۳۹** :۔ غیر زبان میں قرآن کی قرأت جائز نہیں چاہے عربی زبان اچھی طرح ادا ہوتی ہو یا نہ ہو، نماز میں یا غیر نماز میں ہو پس اگر کسی نے غیر زبان میں نماز کے اندر قرأت کی تو نماز صحیح نہ ہوگی، امام نوادیؒ فرماتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب اور امام مالکؒ واحمدؒ وداؤدؒ، اور ابوبکر بن المنذر کا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ نماز صحیح ہوجائے گی، قاضی ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس کے لئے ہے جو عربی میں قرأت اچھی طرح

نہ کرتا ہوا ور جو ٹھیک طریقہ پر قرارت کرسکتا ہے اس کے لئے جائز نہیں ہے [1]

(۴۰) **فصل نمبر ۴۰** :۔ قرآن مجید کی تلاوت قرارت سبعہ کے ساتھ جس پر اتفاق ہو گیا ہے جائز ہے، سبعہ کے علاوہ جائز نہیں اور نہ ان روایات شاذہ کے ساتھ قرارت جائز ہے جو قرار سبعہ سے منقول ہیں، ساتویں باب میں آگے اس کا ذکر آرہا ہے کہ فقہاء نے قرارت شاذہ وغیرہ کے متعلق کیا فرمایا ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے فرمایا ہے کہ اگر شاذ قرأت کو نماز کے اندر پڑھا اگر عالم ہے تو نماز جاتی رہے گی اور اگر جاہل ہے تو نماز باطل نہ ہوگی اور یہ قرأت حکم میں شمار نہ ہوگی، علامہ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کا اجماع نقل فرمایا ہے کہ قرارت شاذہ سے نماز نہ ہوگی اور جو ایسا کرے اس کے پیچھے نماز نہ ہوگی، علماء نے فرمایا ہے کہ جس نے قرارت شاذہ کو پڑھا اگر جاہل ہو یا اس کی حرمت سے واقف نہ ہو تبا دیا جائے، اب اگر پھر اعادہ کرے یا عالم ایسا کرے سب کو تعزیر کی جائے گی، یہاں تک کہ باز آجائے اور ہر شخص پر جو اس کی قدرت رکھتا ہو انکار کرنا اور منع کرنا وغیرہ واجب ہوگا۔

فصل :۔ جب کسی قرار کی قرأت کو شروع کیا تو بہتر ہے کہ برابر اسی قرارت میں پڑھے جب تک بات مرتبط ہو پس جب ارتباط ختم ہو جائے تو قرار سبعہ میں سے

---

[1] امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اپنے قول کہ غیر زبان میں اگر قرآن مجید نماز کے اندر پڑھا گیا تو نماز جائز ہو جائے گی، اس قول سے رجوع فرمایا ہے، جیسا کہ مولانا عبدالحئی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ نے احکام النفائس فی اداء الاذکار بلسان الفارس میں مفصل بحث فرما کر رقمطراز ہیں۔

ذکر شیخ الاسلام فی شرح کتاب الصلوۃ وشمس الائمۃ السرخسی فی شرح جامع الصغیر رجوع ابی حنیفۃ الی قولھا۔ اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں قال ابن ملک فی شرح المنار الاصح انہ رجع من ھذا القول کما رواہ نوح ابن مریم .... وھو اختیار القاضی ابی زید وعامۃ المحققین۔ انتھی

جس پر چاہے قراءت کرے لیکن ایک مجلس میں اولیٰ اور افضل یہی ہے کہ جو شروع کرے اسی پر ختم کرے [1]

(۴۱) **فصل نمبر ۴۱** :- علماء نے فرمایا ہے کہ موجودہ ترتیب قرآن کے مطابق قراءت اور تلاوت کی جائے مثلاً سورہ فاتحہ، سورہ بقرہ، سورہ آل عمران وغیرہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے بعض علماء شوافع نے فرمایا ہے کہ اگر پہلی رکعت میں کسی نے سورہ والناس پڑھی تو دوسری رکعت میں سورہ بقرہ پڑھے اور اسی بنا پر ہمارے بعض اصحاب کا یہ فتویٰ ہے کہ مستحب ہے کہ جو سورہ پڑھی گئی دوسری رکعت میں اس کے بعد والی سورہ کو پڑھا جائے اور اس کی دلیل موجودہ ترتیب قرآن ہے جو حکمت پر مبنی ہے پس لائق ہے کہ اسی پر عمل کیا جائے، البتہ اگر کسی جگہ مستثنیٰ ہو جیسے جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورہ الم سجدہ اور سورۂ دہر یا نماز عید میں سورہ ق اور سورہ اقتربت الساعۃ

---

[1] علماء اصول بالاتفاق قرآن مجید کو قراءۃ متواترہ مانتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ تواتر قراءت سبعہ کا جو جمہور مانتے ہیں وہ تواتر ائمہ قراءت سبعہ کا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کی اسناد صحیح نہیں ہے کیونکہ اسناد قراءت سبعہ کتب قراءت میں موجود ہیں جو خبر آحاد سے آگے نہیں بڑھتی ہیں اس بنا پر ایک جماعت قراء نے قراءت سبعہ وغیرہ پر اجماع نقل کیا ہے کہ یہ متواتر نہیں ہیں متواتر تو وہی ہیں جس پر مشہور قراء کا اتفاق ہے جو قرآن آج دو دفتیوں کے درمیان پایا جاتا ہے وہی قرآن ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اور جو مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور احکامات شرعیہ پر مشتمل ہے اور معجزہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک ہر زمانہ میں تواتر کے ساتھ نقل ہوتا اور تلاوت ہوتا چلا آ رہا ہے وہی قرآن ہے کیونکہ قرآن کا موافق عربیت اور رسم عثمانی کے ہونا ضروری ہے ورنہ وہ قرآن نہ ہوگا۔ تفصیل اس کی یہ ہے جیسا کہ صاحب "اتقان" لکھتے ہیں: لاخلاف ان کل ما ہو من القرآن یجب ان یکون متواترا فی اصلہ واجزائہ الخ، فما نقل احادا ولم یتواتر یقطع بانہ لیس من القرآن، اس تمام سر مغزی کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہ اسلامی کی معتبر کتابوں میں تصریح موجود ہے بالخصوص "فتح القدیر" میں کہ ادائے حروف و رعایت قواعد قرآنی میں اگر عاجز ہے تو اسکو چاہئے کہ رات و دن میں اس کمی کو پورا کرنے اور تعلیم حاصل کرنے میں لگ جائے ورنہ اس کی نماز جائز نہ ہوگی، علامہ جزریؒ کا ارشاد ہے "من لم یجود القرآن فہو آثم" یعنی جو قرآن صحیح مخرج کے ساتھ نہیں پڑھتا ہے وہ گنہگار ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے رُبَّ تالی القرآن والقرآنُ یلعنہ الحدیث سے بھی اشارہ نکلتا ہے۔ واللہ اعلم

اصلاحی

آئی ہے یا سنت فجر میں پہلی رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور دوسری میں قل ہو اللہ احد یا وتر کی نماز میں سبح اسم ربک الاعلیٰ، دوسری میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری میں قل ہو اللہ احد اور معوذتین کا پڑھنا ثابت ہے اور اگر ترتیب کے مطابق نہ پڑھا جائے بلکہ ایک سورہ پڑھی جائے اور اس کے بعد والی نہ پڑھی جائے یا ترتیب کے خلاف ایک سورہ کو پڑھا پھر دوسری رکعت میں اس سے قبل پڑھا تو بھی جائز ہے اور اس بارے میں آثار صحابہ کثرت سے موجود ہیں مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلی رکعت میں سورہ کہف پڑھی اور دوسری میں سورہ یوسف، البتہ علمار سلف کی ایک جماعت ترتیب مصحف کے خلاف پڑھنے کو مکروہ کہتی ہے، ابن ابی داؤدؒ نے حسنؒ سے روایت کی ہے کہ وہ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ کوئی ترتیب قرآن کے خلاف نماز میں پڑھے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسناد صحیح کے ساتھ مروی ہے کہ آپ سے فتویٰ پوچھا گیا کہ ایک شخص قرآن مجید کو الٹا پڑھتا ہے یعنی ترتیب موجودہ کے خلاف تو آپ نے فرمایا کہ ایسا الٹا قلب والا کر سکتا ہے، اگر کوئی تلاوتِ قرآن یا قرارت قرآن آخر سے شروع کر کے اول تک آئے تو ایسا کرنا سخت مکروہ اور ممنوع ہے کیونکہ اس سے اعجاز قرآن کی بہت سی خوبیاں ختم ہو جاتی ہیں اور ترتیب میں جو حکمت ہے وہ جاتی رہتی ہے، چنانچہ ابن ابی داؤد نے ابراہیم نخعیؒ سے روایت کی ہے اور امام مالکؒ سے بھی، یہ دونوں بزرگ ایسا کرنے کو سخت مکروہ اور معیوب سمجھتے تھے، امام مالک فرماتے تھے "ھذا عظیم" البتہ آخر قرآن سے بچوں کو تعلیم دینا بہتر ہے جو اس گذشتہ صورت میں نہیں آتا ہے، کیونکہ مختلف زمانوں میں اس طرح پڑھایا جاتا ہے، جس کا مقصد محض حفظ کی سہولت ہے اور کچھ نہیں۔

(۴۲) **فصل نمبر ۴۲:۔** قرآن مجید کی تلاوت قرآن مجید دیکھ کر کرنا زبانی

پڑھنے سے زیادہ افضل ہے، کیونکہ قرآن مجید کا دیکھنا بھی عبادت ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب میں قاضی حسین اور امام غزالیؒ نے صحابہ تک کا نام لیا ہے کہ وہ قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنے کو افضل فرماتے ہیں اور یہی بات ابن ابی داؤدؒ نے سلف سے نقل فرمائی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اگر یہ کہا جائے کہ دیکھ کر پڑھنا اور زبانی پڑھنا ان دونوں میں زبانی پڑھنے میں کسی کو زیادہ خشوع طاری ہوتا اور زیادہ تدبر ہوتا ہے تو یہ چیز حالات کے اعتبار سے ہو گی اور بہتر خیال کی جائے گی اور سلف رحمہم اللہ سے جو منقول ہے وہ انھیں حالات پر محمول ہوگا یعنی جس کو دیکھ کر زیادہ خشوع و خضوع پیدا ہوگا وہ دیکھ کر کرے اور جس کو زبانی زیادہ مزہ آئے وہ زبانی کرے۔

(۴۳) فصل نمبر ۴۳:- قرآن مجید ایک جماعت کے ساتھ تلاوت کرنے اور سامعین کا بھی موجود ہونا مستحب ہے اس کی فضیلت پر بھی لوگوں کو ابھارا گیا ہے پس لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جماعت کا اکٹھا ہو کر تلاوت کرنا اور پڑھنا اس کے بہت سے دلائل ہیں اور سلف اور خلف کے اعمال سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں نہیں جمع ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی تلاوت قرآن مجید کریں اور اس کا درس دیں اور معنی بیان کریں مگر حال یہ ہے کہ ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ ان کا ذکر اپنے پاس کے لوگوں میں کرتا ہے یعنی فرشتوں میں [1]

---

[1] سکینت کے معنی ہیں تسکین اور خاطر جمعی کے کہ اس کے سبب سے دنیا کی خواہش اور ماسوی اللہ کا خوف دل سے نکل جاتا ہے اور اللہ کا حضور اور اس کی نورانیت دل میں پیدا ہوتی ہے ۔ اصلاحی

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حلقہ پر گذرے اور فرمایا کہ تم لوگ کس لئے بیٹھے ہو؟ صحابہ نے فرمایا کہ ہم لوگ اللہ کے ذکر کے لئے اکٹھا ہوئے ہیں اور اسلام پر ہدایت دینے کی وجہ سے اور احسان کی بنا پر حمد و ثنا کر رہے آپ نے فرمایا کہ حضرت جبریل آئے اور مجھ کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ساتھ ان پر فخر کرتا ہے یہ روایت حسن اور صحیح ہے اور بھی بہت سی احادیث اس بارے میں آئی ہیں۔ اور دارمی نے اسناد کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ایک آیت کتاب اللہ پر کان لگایا اس کے لئے قیامت میں ایک نور رہو گا۔ اور ابن ابی داؤد نے روایت کیا ہے کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ قرآن مجید کا درس دیتے تھے، آپ کے ساتھ بہت سے لوگ قرآن اکٹھا طور پر پڑھتے تھے۔ اور ابن ابی داؤد نے اکٹھا ہو کر قرآن پڑھنے اور درس دینے کا بہت سے افاضل سلف اور خلف اور قضاۃ کا ذکر کیا ہے، حسان بن عطیہؒ اور اوزاعیؒ نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلے جس نے کتابوں کے پڑھنے کا طریقہ مسجد دمشق میں ایجاد کیا وہ ہشام بن اسماعیل تھے جو خلیفہ عبدالملک کے پاس پہنچے تھے۔

اور وہ جو ابن ابی داؤد نے روایت کیا ہے ضحاک بن عبدالرحمٰن بن عزرف سے کہ انھوں نے اس طریقۂ درس کا انکار کیا ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا دیکھا ہے اور نہ سنا ہے اور نہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے پایا ہے میں نے کسی کو ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے اور دہب سے روایت ہے کہ امام مالکؒ سے میں نے پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے ایسے لوگوں کے بارے میں کہ لوگ جمع ہو کر ایک ہی سورہ کو پڑھتے ہیں اور پھر اسی کو ختم کرتے ہیں۔ امام مالکؒ نے اس کو برا سمجھا اور انکار کیا، اور فرمایا کہ ایسا لوگ نہ کریں بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ

ایک آدمی دوسرے پر پڑھے، پس یہ ان دونوں کا انکار کرنا سلف اور خلف کے خلاف ہے اور فرمایا کہ دلیل کا جو اقتضا ہے وہ متروک ہے اور اعتماد تو اس کے استحباب ہی پر ہے جیسا کہ گذرا، لیکن مجتمع طور پر پڑھنا سو اس کے شروط ہیں جو ہم نے پہلے ذکر کر دیئے ہیں اس پر خیال رکھا جائے، البتہ اکٹھا ہو کر پڑھنے پر بہت سے نصوص آئے ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ کسی نیکی کے کام پر کسی کو آمادہ کرنا بنانا مثل کرنے والے کے ثواب کے ہے اور آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ کسی آدمی کا تم سے اے علی ہدایت پا جانا سرخ اونٹ سے بہتر ہے، اس کے بارے میں بہت سی حدیثیں موجود ہیں، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى خلاصہ یہ کہ اس راہ میں کوشش کرنے والے کو بھی خدا کی طرف سے اجر ہے۔

(۴۴) فصل نمبر ۴۴:۔ قرآن مجید کا دَور کرنا۔

اس کی یہ صورت ہے کہ ایک جماعت اکٹھا ہو کر کچھ لوگ ایک پارہ یا کم کچھ حصہ پڑھیں پھر خاموش ہو جائیں اور دوسرے لوگ وہاں سے پڑھیں جہاں پہلے لوگوں نے آخر کیا تھا یعنی چھوڑا تھا پھر اور لوگ اسی طرح پڑھیں تو یہ جائز ہے اور بہتر ہے، امام مالکؒ سے اس طرح پڑھنے کے بارے میں فتویٰ پوچھا گیا تو فرمایا کوئی مضائقہ نہیں۔

(۴۵) فصل نمبر ۴۵:۔ قرآن مجید پڑھنے میں آواز کا بلند کرنا۔

یہ فصل زیادہ اہم ہے چاہیئے کہ اس کا زیادہ خیال رکھا جائے اور اس بارے میں زیادہ تر احادیث بلند آواز سے قرآن پڑھنے میں آئی ہیں اور بہت سے آثار سلف آہستہ پڑھنے کے استحباب میں وارد ہوئے ہیں، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ احادیث اور آثار کے جمع و توفیق کی صورت یہ ہے کہ آہستہ اور مخفی پڑھنے میں آدمی ریا سے محفوظ رہتا ہے اس لئے آہستہ پڑھنا

اس خیال سے بہتر ہے اور جس کو ریا کا خطرہ نہ ہو اس کو بلند آواز سے پڑھنا ہی بہتر ہے کیونکہ اس پر زیادہ عملدرآمد ہے اور اس وجہ سے بھی بلند آواز سے پڑھنا ہی بہتر ہے کہ اس سے دوسرے کو بھی فائدہ پہنچتا ہے، صرف اپنے کو فائدہ پہنچنے سے دوسرے کو بھی فائدہ پہنچنا زیادہ اچھا ہے اور اس سے آدمی کا قلب بیدار ہوتا ہے اور قرآن میں غور و فکر کا موقع ملتا ہے، نیند جاتی رہتی ہے اور بلند آواز سے پڑھنے میں نشاط زیادہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی رغبت پیدا ہوتی ہے اور غفلت دور ہوتی ہے، پس ان امور کے ارادہ کے ساتھ زور سے پڑھنا زیادہ افضل ہے، جب ان نیتوں کے ساتھ قرآن پڑھا جائے گا تو اجر میں بھی اضافہ ہوگا، امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انھیں وجوہ کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ قرآن دیکھ کر پڑھنا زیادہ بہتر ہے، یہ ہے نفس مسئلہ کا حکم۔ یوں تو آثار بہت زیادہ موجود ہیں جن میں سے کچھ ہم ذکر کر رہے ہیں، صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز رضامندی سے نہیں سنی پیغمبر کی قرارت کے برابر جبکہ پیغمبر خوش آوازی سے قرآن پڑھے پکار کر، یہ خدائے تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کہا کہ تجھ کو داؤد کے مزامیر میں سے مزمار عطا کیا گیا ہے یعنی جیسے داؤدؑ کو خوش آوازی دی گئی تھی تجھے بھی اس میں سے خوش آوازی کا حصہ عطا ہوا ہے اور ایک روایت میں اتنا اور بھی آیا ہے آپ نے فرمایا کہ اگر تو دیکھتا کہ جب میں تیری قرارت کو رات گذشتہ سن رہا تھا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوش آوازی سے قرآن مجید پڑھنے کی جانب اللہ تعالیٰ گانے والی عورتوں کے گانے سے زیادہ کان لگاتا ہے اور پسند کرتا ہے اور بھی ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ

سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں رفقاء اشعریوں کی آواز کو جب وہ گھروں میں داخل ہو جاتے ہیں تو نہیں پہچانتا مگر قرآن کے بلند آواز سے اپنے گھروں میں راتوں کو پڑھنے کی وجہ سے پہچان جاتا ہوں کہ یہ ان کے گھر ہیں اور پھر جب دن ہوتا ہے تو بھول جاتا ہوں (مسلم و بخاری) اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن کو خوش آوازی سے پڑھا کرو اور ابن ابی داؤد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے مسجد میں لوگوں کی آواز کا شور سنا جو قرآن پڑھ رہے تھے تو فرمایا مبارک ہو ان لوگوں کو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ایسے لوگ زیادہ محبوب تھے، غرض زور سے پڑھنے کے بارے میں بہت زیادہ احادیث آئی ہوئی ہیں اور صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے اقوال اور افعال بہت زیادہ ہیں اور مشہور ہیں جن کا مورد وہی ہے کہ ریا اور دکھاوے سے نہ ہو اور نہ لوگوں کو اس سے تکلیف ہو نہ نماز وغیرہ میں گڑبڑ ہوتی ہو کیونکہ اسی بنا پر سلف رحمہم اللہ نے آہستہ پڑھنے کو کہا ہے جیسا کہ اعمشؒ نے فرمایا کہ میں ابراہیمؒ کے پاس گیا وہ قرآن مجید دیکھ کر پڑھ رہے تھے، ایک آدمی نے آنے کی اجازت چاہی تو آپ نے قرآن کو بند کر دیا اور فرمایا اس میں مضائقہ نہیں۔ میں ہر وقت پڑھ سکتا ہوں۔ اور اسی طرح حضرت ابو العالیہؒ سے مروی ہے کہ میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا ان میں سے ایک صاحب نے کہا کہ میں نے رات اتنا ہی پڑھا ان لوگوں نے فرمایا کہ تمہارا حصہ اسی قدر اس میں تھا اور ان بزرگوں نے حدیث عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا ہے عقبہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قرآن زور سے پڑھنے والا علانیہ صدقہ دینے والے کے مثل ہے اور مخفی طور پر قرآن

پڑھنے والا مخفی صدقہ دینے والے کے مثل ہے، اس کو ابوداؤد، ترمذی نسائی نے روایت کیا ہے، ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور حدیث کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ جو شخص آہستہ قرآن پڑھتا ہے وہ اس شخص سے افضل ہے جو قرآن زور سے پڑھتا ہے کیونکہ اہل علم کے نزدیک صدقہ چھپا کر دینا افضل ہے علانیہ صدقہ کر دینے سے چنانچہ اہل علم کے نزدیک حدیث کے یہی معنی ہیں تاکہ آدمی عجب اور ریا سے محفوظ رہے، کیونکہ جو عمل پوشیدہ طور سے ہوتا ہے اس میں ریا کو دخل نہیں ہوتا ہے، علانیہ دینے میں ضرور اس کا خطرہ ہے بہرکیف اگر زور سے پڑھنے میں کوئی خطرہ ہو تو زور سے نہ پڑھنا چاہیئے اور اگر ایسا نہ ہو تو زور سے پڑھے ہاں بہت سے لوگ مل کر اگر زور سے قرآن پڑھیں تو جہر مستحب ہے کیونکہ اس سے دوسروں کو بھی فائدہ ہوتا ہے۔

(۴۶) **فصل نمبر ۴۶**:۔ قرآن مجید کا اچھی آواز بنا کر پڑھنا۔ سلف، خلف یعنی صحابہؓ و تابعینؒ کا۔

اس بات پر اجماع ہے اور تمام علماء امصار کا قول ہے کہ قرآن مجید کو خوش آوازی سے پڑھا جائے، اس بارے میں علماء کے اقوال اور افعال اتنے زیادہ ہیں کہ جن کا استقصا کرنا مشکل ہے، اس لئے ان سب کے ذکر کرنے سے ہم بے نیاز ہو جاتے ہیں اور یہ حدیث تو بہت مشہور اور عام طور پر علماء کے نزدیک ثابت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن مجید کو اپنی خوش آوازی کے ساتھ زینت دو، اس طرح کی تمام روایات گذشتہ فصل میں ذکر کر دی گئی ہیں، مثلاً حدیث " من لم یتغن بالقرآن فلیس منا۔ وغیرہ، یہ مطلب ہے کہ جو قرآن کو خوش آوازی سے نہ پڑھے اور مخارج و حروف کی کمی بیشی کی رعایت نہ کرے وہ ہماری سنت پر نہیں (رواہ ابوداؤد بسند

جید) اور حدیث برا رضی اللہ عنہ میں ہے کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز میں سورۂ والتین والزیتون پڑھی ۔ میں نے آپ سے زیادہ خوش آواز کسی کو نہیں سنا (بخاری و مسلم)

علماء رحمہم اللہ نے ان ہی روایات کی بنا پر فرمایا ہے کہ خوش آوازی سے ترتیب کے ساتھ قرآن کا پڑھنا مستحب ہے جب تک کہ قرأۃ کی حد سے نہ نکلے، کھینچ تان کر اور خواہ مخواہ آواز کو گھٹا بڑھا کر اگر زیادتی کر دی اور کوئی حرف دب گیا یا بڑھ گیا تو حرام ہے، لیکن لحن سے قرآن پڑھنا تو ایک جگہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں لیکن انھیں سے دوسری جگہ منقول ہے کہ مکروہ نہیں ہے نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کا کہنا ہے کہ یہ دو قول نہیں ہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر زیادتی ایسی کر دی کہ حد سے تجاوز ہو گیا تو مکروہ ہے اور اگر حد سے تجاوز نہیں ہوا تو مکروہ نہیں ہے قاضی القضات علامہ ماوردی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب حاوی میں فرمایا ہے کہ جو قرأت الحان موضوعہ کے طریقہ پر اس طرح ہو کہ لفظ قرآن اپنے صیغہ اور حرکات سے نکل جائے یا ایسے طور پر الفاظ ادا ہوں کہ بعض لفظ مشتبہ ہو جائیں اور معنی پر اثر پڑ جائے تو حرام ہوگا اور قاری فاسق سمجھا جائے گا اور سننے والے گنہگار ہوں گے کیونکہ ایسی حالت میں ہنج تویم سے کجی کی جانب عدول ہوگا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ"۔

ہاں اگر لحن ایسے طریقہ پر ہو کہ الفاظ اپنی جگہ پر صحیح رہیں اور قرآن ترتیل کے ساتھ ہو تو مباح ہے کیونکہ ایسی صورت میں الحان کے اندر زیادتی محض خوش آوازی کی بنا پر ہوتی ہے، الحان محرمہ ایک ایسی مصیبت ہے کہ بعض جاہل اس کو جنازوں اور محفلوں میں پڑھتے ہیں جو بدعت محرمہ ہے ہر سننے والا گنہگار ہوتا ہے اور جس کو اس کے ازالہ پر قدرت ہو وہ نہ ازالہ کرے تو وہ بھی کھلا ہوا گناہگار ہوگا۔

امام شافعیؒ مختصر مزنی کے اندر فرماتے ہیں کہ جس صورت سے قرآن عمدہ طور پر پڑھنا ہو سکے بہتر ہے اور میں حدر اور تحزین کو پسند کرتا ہوں، اہل لغت جب حدرتُ بالقراۃ کہتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس نے کوئی حرف دبایا نہیں اور جب بولتے ہیں" فلان یقرأ بالتحزین" تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ اس نے رقت آمیز طریقہ پر نرم آواز سے پڑھا اور ابن ابی داؤد نے سند کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ کو رونے کے مثل آواز سے پڑھا، اور سنن ابی داؤد میں ہے کہ ابن ابی ملیکہ سے کہا گیا کہ جو خوش آواز نہیں ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے فرمایا کہ جس قدر خوش آوازی ممکن ہو کرے۔

(۴۷) فصل نمبر ۴۷:۔ خوش آوازی سے قراءتِ قرآن مستحب ہے۔

جاننا چاہیئے کہ سلف کی ایک بڑی جماعت قرآن کو خوش آوازی سے پڑھنے کا حکم کرتی تھی اور لوگ اس کو سنتے تھے یہ متفق علیہ استحباب ہے اور یہی عادت اچھے لوگوں اور عبادت گذاروں کی رہی ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایسا ہی ثابت ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ مجھ پر قرآن کو پڑھو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کو قرآن سناؤں درانحالیکہ قرآن آپ پر اترا ہے؟ آپ نے فرمایا میں اپنے علاوہ دوسرے سے قرآن سننے کو زیادہ اچھا سمجھتا ہوں، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورۂ نساء کی آیت کو پڑھا اور جب آپ یہاں تک پہنچے فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَہِیْدٍ وَّ جِئْنَابِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَہِیْدًا۝ ترجمہ:۔ پھر کیا حال ہو گا جب بلاویں گے ہم ہر امت میں سے احوال کہنے والا اور بلاویں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانیوالا

تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب بس کر، عبداللہ بن مسعود رضؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے (بخاری و مسلم) اور دارمی وغیرہ نے اپنی سند سے حضرت عمر بن الخطاب رضؓ کا ابو موسیٰ اشعریؓ سے یہ فرمانا روایت کیا ہے کہ اے موسیٰ ہم کو ہمارے رب کی یاد دلاؤ تو ابو موسیٰ نے قرآن کو پڑھا، اس سلسلہ میں کثرت سے آثار صحابہ منقول ہیں اور صالحین کی ایک جماعت پڑھنے والوں سے سوال کرکے سنا اور دنیا سے رخصت ہو گئے، اور علماء نے یہ مستحب قرار دیا ہے کہ کسی مجلس کا افتتاح یا حدیث نبوی کے پڑھتے وقت قرآن خوش آوازی سے شروع کیا جائے، قاری کے لئے ہے کہ اس مجلس کے مناسب آیات سے آغاز کرے اور آیات ایسی ہوں جو اللہ کے خوف کو یاد دلائیں اور اس کی رحمت کی وسعت سامنے کر دیں، ترک دنیا اور آخرت کی رغبت پیدا کریں اور بہترین اخلاق کے حصول کا جذبہ پیدا ہو۔

(۴۸) فصل نمبر ۴۸:۔ قرآن مجید کے پڑھنے والے کو ضروری ہے کہ جب وہ وسط سورہ سے پڑھنے کی ابتدا کرے یا غیر سورہ کے آخر پر ٹھہرے تو چاہیے کہ ایسی جگہ سے شروع کرے جو پورا کلام ایک دوسرے سے ملا ہوا اور مربوط ہو، ٹھہر جائے اور وقف ہو تو ایسے ہی کلام پر اور اعشار اور اجزاء کا پابند نہ ہو یعنی دس آیات یا کچھ اجزاء قرآن ہی کو پڑھے کیونکہ ایسا کرنا کبھی کلام مربوط کے وسط سے ہوگا، جیسے اللہ تعالیٰ کے قول وَالمحصنَاتُ من النساء ۔ وَمَا اُبَرِّیُٔ نَفسِی ۔ فَمَا کَانَ جَوابَ قومِہ ۔ وَمَن یقنُت منکن بِلّٰہِ ورَسولِہ ۔ وَمَا انزَلنَا علیٰ قومِہ مِن جندٍ مِنَ السمَآءِ ۔ اِلَیہِ یُرَدُّ عِلمُ السَّاعَۃِ ۔ وَبَدَا لَھُم سیئاتُ مَا عملوا ۔ قَالَ فَمَا خطبکُم اَیُّھَا المُرسَلُونَ ۔ کَذٰلِکَ الاَحزَاب ۔ وَاذکُروا اللّٰہَ فِیٓ اَیَّامٍ معدُودٰتٍ ۔ قُل ھَل اُنَبِّئُکُم بِخَیرٍ مِن ذٰالکم وغیرہ

اجزا پر وقف کرنا صحیح نہ ہوگا، یہ اور اس طرح کی آیات سے شروع کرنا یا ان پر وقف کرنا اس وجہ سے صحیح نہ ہوگا کہ ماقبل کلام سے یہ آیات متعلق ہیں اور مضمون ملا ہوا ہے، اس لئے بہت سے ناواقف حفاظ جو کر رہے ہیں اس پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ نہ تو بوجہ ناواقفیت کے اس کی رعایت کر سکتے ہیں اور نہ معانی و مطالب آیات پر تدبر و تفکر کرنا ان کے بس میں ہے، اس معاملہ میں حضرت فضیل ابن عیاضؒ کے قول کا امتثال کرنا چاہئے جس کو ابو عبداللہ حاکمؒ نے روایت کیا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ اہل کی کمی کی بنا پر طریق ہدایت سے متوحش نہ ہونا چاہئے، اور نہ جاہلوں کی کثرت سے دھوکا کھانا چاہئے، اسی وجہ سے علماء کا فتویٰ ہے کہ چھوٹی سورہ کا پورا پڑھنا بڑی سورہ کے کسی حصہ کے پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ اس طرح پڑھنے سے بعض حالات میں لوگوں سے ربط مخفی رہ جائے گا۔ ابن ابی داؤد نے اپنی سند سے عبداللہ بن ہذیل تابعی سے روایت کیا ہے کہ آپ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ کوئی نماز وغیرہ میں بعض آیات کو پڑھے اور اس کے بعض حصہ کو چھوڑ دے[1]

---

[1] یہ مصیبت پیدا کردہ جاہل قاریوں اور حفاظ کی ہے مگر اچھے خاصے پڑھے لکھے دیندار اور عالم بھی اس میں مبتلا پائے جاتے ہیں، یہی مولوی جب وعظ کہنے اور تقریر کرنے کھڑا ہوتا ہے تو اتباع سنت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسوۂ حسنہ کی خوبیوں اور برکات پر برڑا زور صرف کرتا ہے لیکن نماز کا بطریق سنت ادا کرنا اس طرح نظر انداز کر جاتا ہے کہ گویا نماز میں آپ کے اسوۂ حسنہ اور اتباع کی ضرورت ہی نہیں ہے؛ چند آیات یہاں کی اور چند آیات دوسری جگہ کی پڑھ کر بوجھ ہلکا کر کے نماز ختم کر دیتا ہے، حالانکہ اتباع سنت نبوی کو علماء اصول نے فرض اور واجب کہا ہے، نماز بطریق سنت ادا کرنا صحیح نماز ہے اور سنت کی رعایت نہ کرنا نماز کے وزن کو اور نماز کے حسن کو ختم کر دیتا ہے بلکہ نماز میں کراہیت پیدا ہو جاتی ہے، ہاں اگر کوئی جاہل سوائے تین چار سورتوں کے اور نہیں پڑھ سکتا ہے اور نہ اب یاد کر سکتا ہے تو ایسا شخص معذور ہے، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز کے مسائل اور نماز میں پڑھنے والی سورتوں کا یاد کرنا ہر مسلمان پر ضروری اور واجب ہے، اگر کوئی حافظ قرآن ہے اور امامت بھی کرتا ہے تو اس کو چاہئے کہ فجر میں طوال مفصل یعنی سورۂ حجرات سے والسماء ذات البروج تک پڑھا کرے (باقی حاشیہ پر)

(۴۹) فصل نمبر ۴۹ :۔ کن صورتوں اور حالات میں قرآن پڑھنا مکروہ ہے

یوں تو قرآن مجید کا پڑھنا مطلقاً پسندیدہ ہے، البتہ بعض حالات میں شریعت نے اس کے پڑھنے سے روکا ہے جس کے دلائل کو نظر انداز کرتے ہوئے محض ان حالات اور صورتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے، حالت رکوع و سجود اور تشہد میں قرآن کا

(بقیہ حاشیہ ص۸۶) اور بقیہ نمازوں میں والسماء والطارق سے سورہ والناس تک پڑھتا رہے اور جمعہ کی فجر نماز کی پہلی رکعت میں الم تنزیل سجدہ اور دوسری رکعت میں ھل اتی علی الانسان کو ہمیشہ پڑھا کرے۔ نماز جمعہ میں پہلی رکعت میں سبح اسم ربك اور دوسری میں ھل اتاك حدیث الغاشیہ یا سورۂ جمعہ اور منافقون ہی پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس کے خلاف کرنے میں نماز تو ہو جائے گی مگر ہو گی مکروہ کیونکہ خلاف سنت ہے ۔۔۔ خلیفۂ دوم حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام حکام کو یہ گشتی فرمان بھیجا کہ تمہارے کاموں میں سب سے زیادہ اہتمام کے قابل میرے نزدیک نماز ہے، جس نے نماز کی حفاظت کی اس نے اپنا دین محفوظ کر لیا اور جس نے نماز کو ضائع کر دیا وہ دوسری چیزوں کو بدرجۂ اولیٰ ضائع کر دیگا ظہر کی نماز اس وقت پڑھو جب سایہ کم سے کم ایک مثل تک ہو جائے، عصر کی نماز ایسے وقت پڑھو کہ آفتاب اونچا ہو، زرد نہ ہو، اور سوار دو فرسخ یا تین فرسخ قبل غروب کے چل سکے ۔۔۔ اور مغرب کی نماز آفتاب غروب ہوتے ہی پڑھو اور عشاء کی نماز شفق غائب ہونے کے بعد سے ایک تہائی رات تک پڑھو، جو شخص عشاء پڑھنے سے پہلے سوجائے خدا کرے کہ اس کی آنکھوں کو کبھی آرام نہ ملے، اور صبح کی نماز ایسے وقت پڑھو کہ تارے نکلے ہوں۔

فرسخ تین میل کی مقدار یعنی ۸ کلو میٹر۔ اور شفق وہ سرخی جو صبح اور شام کو آسمان کے کناروں پر دکھائی دیتی ہے، اوقاتِ نماز جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں اس کا ماخذ مؤطا امام مالک رح اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" وغیرہ ہیں ۔۔۔

اصلاحی

پڑھنا مکروہ ہے البتہ قیام میں جائز ہے، اسی طرح مقتدی کا مازاد علی الفاتحہ (یعنی سورہ فاتحہ کے علاوہ کا) پڑھنا جہری نماز میں مکروہ ہے جبکہ امام کی قرأت سنے، اسی طرح پاخانہ، پیشاب کی جگہوں میں اور اونگھ میں مکروہ ہے، اور جب قرآن کا پڑھنا گراں گذرے تب بھی، اور خطبہ سننے کی حالت میں بھی مکروہ ہے ہاں جو خطبہ نہ سنے اس کو مکروہ نہیں ہے بلکہ مستحب اور صحیح اور پسندیدہ پڑھنا ہے حضرت طاؤس رضؓ کراہت کے قائل ہیں اور ابراہیم نخعیؒ عدم کراہت کے قائل ہیں اور طواف میں قراءت قرآن مکروہ نہیں ہے، یہی مذہب امام نووی اور جمہور علماء کا ہے، ابن المنذر نے اس کو عطاء، مجاہد، ابن المبارک، ابو ثور اور اصحاب الرائے سے حکایت کیا ہے، حسن بصری، عروہ بن الزبیر اور مالک سے طواف میں کراہت منقول ہے اور صحیح پہلا مذہب ہے۔

(۵۰) **فصل نمبر ۵۰**:۔ اس فصل میں ہم ان بدعتوں کا مختصر ذکر کر دینا ضروری سمجھتے ہیں جن کو جاہل مصلی مستحب اور اچھا سمجھ کر کرتے ہیں حالانکہ وہ بدعت ہے مثلاً بعض شہروں وغیرہ میں ختم تراویح کے وقت آخری رکعت میں سورہ انعام ۲۷ ویں شب میں پڑھنا اور اکٹھا ہو کر ایسے امور کرنا جو اعتقاداً مستحب کی طرح ہوں بدعت سیئہ ہے جس سے عوام کو مستحب کا وہم ہوتا ہے۔ انھیں میں سے پہلی رکعت کو چھوٹی کرنا اور دوسری کو لمبی کرنا بدعت سیئہ ہے کیونکہ پہلی رکعت کا بڑا ہونا اور دوسری کا چھوٹا ہونا شریعت میں ہے، اور بہت تیزی سے پست آواز سے قرآن پڑھنا بھی مکروہ ہے، اسی طرح بعض جہلاء کا جمعہ کی فجر نماز میں سورہ الم سجدہ کے بجائے کوئی اور سجدہ کی سورہ یا آیت کا پڑھنا بدعت سیئہ ہے حالانکہ سنت یہ ہے کہ جمعہ کی صبح کی نماز میں پہلی رکعت میں سورہ الم سجدہ اور دوسری رکعت میں ھل اتی علی الانسان پڑھا جائے۔

(۵۱) **فصل نمبر ۵۱** :- اس فصل میں ایسے نادر مسائل کا ذکر ہوگا جس کی اکثر ضرورت پڑا کرتی ہے۔

مثال کے طور پر کسی نے نماز شروع کی ڈکار اور ریاح کا غلبہ ہوا تو چاہیے کہ قرارت سے رک جائے تاکہ ریاح کا خروج ہو جائے پھر قرارت کی طرف لوٹے، یہی مذہب ہے عطاءؒ کا جو بہترین ادب ہے، اسی طرح جمائی آئی تو چاہیے کہ پڑھنا موقوف کردے یہانتک کہ جمائی ختم ہو جائے، مجاہد نے اس کو اچھا کہا ہے اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو وہ اپنے ہاتھ کو منہ پر رکھ دے کیونکہ شیطان منہ کے اندر داخل ہوتا ہے۔ (مسلم)

یہیں سے علماء نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے قول وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللهِ۔ یا قَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللهِ مَغْلُولَةٌ۔ یا۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا وغیرہم اسی طرح کی آیات کو پڑھے تو چاہیے کہ آواز کو دھیمی کردے ایسا ہی ابراہیم نخعیؒ کرتے تھے اسی طرح ابن ابی داؤد نے شعبیؒ سے روایت کیا ہے کہ آپ سے کہا گیا کہ جب کوئی اِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَه يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ پڑھے تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فوراً درود بھیجا جائے، آپ نے فرمایا ہاں۔ یہیں سے یہ بات بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جس نے وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ کو پڑھا اور اَلَيْسَ اللهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ پڑھا تو چاہیے کہ پڑھنے والا کہے " بلیٰ وانا علیٰ ذالك من الشاهدين " ابوداؤد، ترمذی، اور اسی روایت کو ابن ابی داؤد نے اتنی زیادتی کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جو شخص سورہ قیامہ کے آخر اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِىَ الْمَوْتٰى پڑھے تو

تو جواب میں سننے والا بلیٰ کہے۔ اسی طرح اگر کوئی سورۂ رحمٰن میں فَبِاَیِّ آلَاۤءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ یا۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ پڑھے تو جواب میں آمنت باللہ کہے، یوں ہی حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہ لوگ جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی پڑھتے تو سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی بھی کہتے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ فرماتے تھے، امام نووی فرماتے ہیں کہ ہمارے بعض اصحاب نماز میں بھی اس طرح جواب دینا مستحب جانتے ہیں[۱]

(۵۲) فصل نمبر ۵۲:۔ اس فصل میں اس بات کا بیان ہے کہ کوئی آیت پڑھ دی گئی مگر اس سے تلاوت کے بجائے کلام مراد لیا گیا ہو۔

اس بارے میں ابن ابی داؤد نے بہت سے اختلاف کا ذکر کیا ہے، ابراہیم نخعیؒ اس بات کو مکروہ خیال فرماتے تھے کہ قرآن مجید میں کوئی دنیاوی بات حائل کی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز میں والتین والزیتون کو پڑھا اور بلند آواز سے وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ کو نمایاں طور پر ظاہر کیا، اسی طرح حکیم ابن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ محکمہ کا ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور آپ فجر کی نماز میں تھے، اس نے کہا لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ حضرت علی نے جواب دیا فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّکَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ، امام نووی انھیں وجوہِ مذکورہ کی بنا پر فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کا خیال ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی نمازی سے داخل ہونے کی اجازت مانگے اور مصلی اُدْخُلُوْھَا بِسَلَامٍ اٰمِنِیْنَ پڑھ دے، اگر اس سے مراد تلاوت اور ہو تو نماز باطل نہ ہوگی، اور اگر اعلام مقصود ہو اور نیت حاضر نہ ہو تو نماز باطل

---

[۱] فبای آلاء الخ کے جواب میں لَا بِشَیْءٍ مِّنْ نِعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ۔ پڑھنا مستحب ہے ۱۲

ہو جائے گی، حنفیہ اس کو منع کرتے ہیں اور ناجائز فرماتے ہیں۔

(۵۳) **فصل نمبر ۵۳** :- اگر کوئی ایسا شخص جو علم، صلاح و تقویٰ، بزرگی اور عمر میں بڑا یا ولی یا باپ وغیرہ وغیرہ قرآن مجید پڑھنے والے پر آجائے تو قاری اکرام اور احترام کی نیت سے اٹھ کھڑا ہونے میں مضائقہ نہیں ہاں ریا ر اور عظمت کرنے کے خیال سے ایسا نہ کیا گیا ہو تو کھڑا ہونا مستحب ہے، جس کو امام نووی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے فعل سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا ہے ثابت فرمایا ہے اور یہی مذہب تابعین اور بعد کے علمار صالحین کا بتایا ہے، چنانچہ نووی نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کے اندر احادیث نہی اور غیر نہی کے موقع و محل، صحت و سقم پر علمی تحقیق و بحث فرمائی ہے، اس رسالہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

(۵۴) **فصل نمبر ۵۴** :- اگر کوئی قرآن مجید چلتے ہوئے پڑھتا کسی جماعت پر گذرا تو قاری کو چاہیئے کہ قرارت روک کر سلام کرے پھر پڑھنے میں لگ جائے اگر اعوذ باللہ سے قرارت کو شروع کرے تو زیادہ بہتر ہے، اگر کوئی بیٹھا ہوا تلاوت کر رہا ہے اور کوئی اور آجائے تو امام ابوالحسن واحدی نے فرمایا ہے کہ ایسی حالت میں قاری کو سلام کرنا بوجہ مشغولیت تلاوت کے نہ چاہیئے، ہاں اگر کسی نے سلام کر دیا تو قاری کو اشارہ سے جواب دیدینا چاہیئے اور اگر الفاظ سے بھی جواب دے دیا تو دے سکتا ہے، پھر اعوذ باللہ کے ساتھ تلاوت کا آغاز کرے مگر یہ جس نے کہا ہے کمزور بات ہے، لفظاً جواب دینا ظاہر وجوب ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کا یہی مذہب ہے، اگر کوئی جمعہ کے خطبہ کی حالت میں سلام کرتا ہوا داخل ہوا اور ہم نے کہا کہ خاموش رہنا سنت ہے تو سلام کا جواب دینا ہی صحیح ہوگا، اگر کوئی یہ کہے کہ جب خطبہ کے وقت سلام کے جواب میں اختلاف

بصورت خاموشی واجب اور بصورت کلام حرام ہے تو پھر قرارت کی حالت میں کلام کو بدرجۂ اولیٰ اجماعاً حرام نہ ہونا چاہیے جب کہ سلام کا جواب دینا بہرحال واجب ہے۔

اگر کوئی قرأت کی حالت میں چھینکے تو اس کو الحمد للہ کہنا مستحب ہے اور ایسا ہی نماز کے اندر ہو اور کوئی دوسرا چھینکے اور وہ پڑھ رہا ہے نماز کے علاوہ اور کہا الحمد للہ تو مستحب ہے قاری پر کہ اس کا جواب دے اور کہے یرحمک اللہ، اور اگر مؤذن کی اذان کو سنے تو موذن کی متابعت اذان اور اقامت میں کرے پھر اس کے بعد پڑھنا شروع کرے، امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ ہمارے اصحاب کا متفق علیہ ہے اگر قرأت کی حالت میں قاری سے کوئی ضرورت طلب کی جائے اور قاری کو مسائل کا جواب اشارہ وغیرہ سے ممکن ہو اور معلوم ہو کہ قاری کے قلب پر کچھ اثر نہ ہوگا اور نہ اس سے کوئی تکلیف ہوگی تو بہتر یہ ہے کہ اس کو قاری اشارہ سے جواب دیدے اور پڑھنا موقوف نہ کرے، اور اگر قرأت بند کردی تو بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم

(۵۵) **فصل نمبر ۵۵:۔** اس فصل میں نماز سے متعلق چند عمدہ احکامات ہیں ان کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے کیونکہ کتب فقہ میں مشہور ہیں اس میں سے نماز میں قرأت کے واجب ہونے پر علماء کا اجماع ہو چکا ہے پھر امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور جمہور نے سورۂ فاتحہ کو ہر رکعت میں پڑھنا واجب قرار دیا ہے، البتہ امام ابوحنیفہ اور علماء کی ایک جماعت صرف سورہ فاتحہ کے تعین کے خلاف ہے، اخیر کی دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ پہلی رائے زیادہ صحیح ہے کیونکہ دلائل سے اسی کی تائید ہوتی ہے، اس موقع پر صرف ایک حدیث صحیح ہے کہ نماز جائز نہیں

جس میں ام القرآن نہ پڑھی جائے ؎

سنت فجر میں بعد فاتحہ کے سورہ کے پڑھنے پر اجماع ہے، باقی اور دوسرے وقتوں کی نماز میں پہلی دونوں رکعتوں میں پڑھنا، البتہ تیسری اور چوتھی رکعت میں پڑھنے کے استحباب پر علماء کا اختلاف ہے، امام شافعیؒ سے اس بارے میں دو قول منقول ہیں، قول جدید یہ ہے کہ مستحب نہیں ہے اور قول قدیم میں مستحب ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ جب ہم نے کہا کہ مستحب ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ پہلی دو رکعتوں میں قرائت اوّل درجہ مستحب ہے تو تیسری اور چوتھی ان لوگوں کے قول کے مطابق برابر ہوگی، کیا پہلی رکعت دوسرے سے لمبی ہو؟ اس میں دو باتیں ہیں جو جمہور علماء کے نزدیک کسی کا بڑا اور چھوٹا نہ ہونا ہے، یہی زیادہ اصح ہے، دوسری رائے یہ ہے کہ پہلی رکعت بڑی اور دوسری چھوٹی ہو یہ محققین کا فیصلہ ہے، یہی صحیح حدیث کے موجب پسندیدہ ہے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت کو لمبی اور دوسری کو چھوٹی کرتے تھے، اس کا فائدہ یہ کہ مقتدی جو پیچھے رہ گیا ہے

؎ امام کے پیچھے مقتدی کے سورۂ فاتحہ پڑھنے میں ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مقتدی کو خاموش رہنا چاہیئے یعنی امام کے پیچھے کسی وقت کی نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھا جائے، امام کا پڑھنا مقتدی کے لئے کافی ہے، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے جہری نماز یعنی فجر مغرب اور عشاء میں قرأت سورہ فاتحہ نہ کرے اور سری نماز یعنی ظہر و عصر میں مقتدی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ ہر نماز میں سورۂ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ یہ ہے ائمہ اربعہ وغیرہم کا مسلک اور دلائل ہر ایک کے پاس ہیں، اس میں اور اسی طرح کے دوسرے مسائل میں ائمہ اربعہ کا اختلاف رحمت اور امت کے لئے آسانی ہے، ہر مقلد کو چاہیئے کہ وہ اپنے ائمہ کے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہے اور کسی کو غلط نہ سمجھے اور انتظام میں انتشار نہ پیدا کرے۔

رکعتِ اولیٰ کو پا جاتا ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسبوق[1] اگر امام کے ساتھ آخر کی دونوں رکعتیں ظہر کی پائیں یا عصر اور عشاء کی، پھر وہ بقیہ کے ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو مستحب ہے کہ وہ سورہ پڑھے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے جمہور اصحاب اس بات کے قائل ہیں، اس میں بھی دو باتیں ان سے منقول ہیں، ایک جو لوگ آخری رکعتوں میں بھی سورہ کے قائل ہیں وہ آخری میں بھی سورہ پڑھیں اور جو لوگ آخری رکعتوں میں سورہ کے پڑھنے کے قائل نہیں وہ نہ پڑھیں لیکن ٹھیک بات یہی ہے تاکہ نماز سورہ سے خالی نہ رہے، یہ امام اور منفرد کا حکم ہے اگر مقتدی ہو تو اگر نماز سری ہوگی تو سورہ فاتحہ واجب ہوگی اور سورہ کا پڑھنا مستحب ہوگا، اور اگر جہری نماز ہوگی اور امام کی قرأت مقتدی سن رہا ہے تو سورہ کا پڑھنا مکروہ ہوگا، فاتحہ پڑھنے کے وجوب پر ایسے مواقع میں دو قول ہیں زیادہ صحیح وجوب ہے، دوسرا قول واجب نہیں، اگر مقتدی قرارت نہیں سن رہا ہے تو سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہوگا اور سورہ کا پڑھنا مستحب، ایک کمزور قول یہ بھی ہے کہ فاتحہ واجب اور ایک قول یہ بھی ہے کہ فاتحہ واجب اور اس کا پڑھنا مستحب نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(۵۶) **فصل نمبر ۵۶**:۔ اس فصل میں یہ بیان ہے کہ ایک رکعت میں دو سورتوں کے جمع کرنے اور پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، صحیحین میں آنحضرت صلعم

---

[1] مُدرک، مسبوق، لاحق یہ اصطلاح فقہاء کرام نے استعمال کی ہے، مُدرک کی تعریف یہ ہے جس کو امام کے ساتھ پوری نماز ملی ہو، یعنی پہلی رکعت سے شریک ہوا ہو آخر تک ساتھ رہا ہو، اور مسبوق اس شخص کو کہتے ہیں جس کو امام کے ساتھ شروع سے ایک یا کئی رکعتیں نہ ملی ہوں، لاحق اس شخص کو کہتے ہیں جس کی امام کے ساتھ شریک ہونے کے بعد ایک یا کئی رکعتیں جاتی رہی ہوں جیسے ایک شخص امام کے ساتھ شریک ہوا لیکن قعدہ میں بیٹھے بیٹھے سو گیا اور اتنی دیر سوتا رہا کہ امام نے ایک یا دو رکعتیں اور پڑھ لیں۔

سے ثابت ہے جس کو عبداللہ بن مسعود نے بیان فرمایا ہے کہ میں نے سورتوں کے نظائر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سورتوں کو ملا کر پڑھنے سے پہچانا اور مفصل میں سے بیس سورتوں کا ذکر کیا کہ ایک رکعت میں دو سورتوں کو پڑھتے تھے اور سلف سے ثابت ہو چکا ہے کہ ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیا ہے۔

(۵۷) **فصل نمبر ۵:** ۔ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ فجر اور جمعہ و عیدین و مغرب کی پہلی دونوں رکعتوں اور تراویح اور وتر میں قرأت زور سے کرنا مستحب ہے جو امام اور منفرد کے لئے یکساں ہے البتہ مقتدی سو وہ اجماعاً جہر نہیں کر سکتا ہے اور صلوٰۃ کسوف قمر میں جہر سنت ہے اور کسوف شمس میں نہیں[1]۔ اسی طرح نماز استسقاء میں جہر ہے نماز جنازہ میں جہر نہیں ہے جبکہ نماز دن میں ہو، اور ایسا ہی صحیح اور مختار مذہب میں رات کو بھی ہے، دن میں نوافل میں جہر نہیں ہے سوائے عید اور نماز استسقاء کے، نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے نوافل کے بارے میں اختلاف کیا ہے، ظاہر مذہب میں جہر نہیں ہے، دوسرا مذہب جہر ہے اور تیسرا جو صحیح ہے جس کو قاضی حسین اور بغویؒ نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ جہر اور سر کے درمیان کی صورت اختیار کی جائے۔

اگر کسی کی نماز رات کی فوت ہو گئی اور اس نے دن میں قضا کر لی یا دن میں قضا ہو گئی اور رات میں ادا کر لی تو قضا ادا کرنیکے وقت کا اعتبار ہو گا یا قضا کرنے کے وقت کا تو نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب سے اس بارے میں دو رائیں منقول ہیں فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں سب سے ظاہر یہ ہے کہ قضا کے وقت کا اعتبار ہو گا

---

[1] جب سورج گرہن ہو تو دو رکعت نماز بہ حیثیت نافلہ جماعت سے ادا کیجائے، ایک رکوع ہر رکعت میں ہو اور قرأت جہر سے ہو اور لمبی سورتیں مثل سورہ بقرہ و آل عمران وغیرہ، یہاں تک کہ سورج صاف ہو جائے اگر چاند گرہن ہو تو دو رکعت تنہا تنہا ادا کی جائیں اور قرأت زور سے نہ ہو یہی مذہب حنفیہ کا ہے۔

اور اگر آہستہ کی جگہ زور سے پڑھا یا زور سے پڑھنے کی جگہ آہستہ قرأت کی تو نماز صحیح ہو جائے گی لیکن مکروہ کا ارتکاب ہو گا اور سجدۂ سہو کرنا نہ ہو گا۔

جاننا چاہیئے کہ آہستہ پڑھنا قرأت کا تو تکبیرات وغیرہ اذکار میں اس طرح پڑھے کہ خود سنے کیونکہ جہاں کہیں خود سننا ہوتا ہے گویائی ضروری ہوتی ہے بشرطیکہ سننے والے کی سماعت صحیح ہو اور کوئی عارضہ لاحق نہ ہو پس جب خود نہ سنے تو اس کی قرأت صحیح نہیں ہوتی ہے اور نہ دوسرے اذکار، اس میں کسی کا خلاف نہیں ہے۔

(۵۸) **فصل نمبر ۵۸** :- امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب فرماتے ہیں کہ امام کو نماز جہری میں چار سکتہ کرنا مستحب ہے قیام کی حالت میں (۱) تکبیر احرام کے بعد (۲) فاتحہ کے بعد خفیف سکتہ جو فاتحہ کے اور آمین کے آخر میں ہو (۳) بعد آمین کے طویل سکتہ کہ مقتدی فاتحہ پڑھ لے (۴) سورہ سے فارغ ہو جانے پر تاکہ قرأت اور تکبیر رکوع میں فصل ہو جائے۔

(۵۹) **فصل نمبر ۵۹** :- ہر قاری کے لئے خواہ نماز میں خواہ نماز کے باہر جب سورہ فاتحہ سے فارغ ہو آمین کہے، اس بارے میں بہت زیادہ روایات آئی ہیں جو مشہور ہیں اور ہم اس فصل کے قریب ہی ذکر کر آئے ہیں کہ مستحب ہے کہ فاتحہ کے آخر میں خفیف سکتہ کیا جائے جس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ تو قبول فرما لے یا ایسا ہی ہو یا اس کے معنی یہ ہیں کہ تیرے سوا کوئی اس پر قادر نہیں ہے، یا یہ معنی بھی لوگوں نے کہے ہیں کہ ہماری امیدوں کو ناامیدی میں تبدیل نہ فرمائے یا یہ معنی بھی ہیں کہ ہم ایمان لائے خیر کے ساتھ وغیرہ جنہوں نے آمین کے معنی یہ بھی لکھے ہیں کہ وہ ایک درجہ جنت کا ہے، قائل اس کا مستحق ہے، جنہوں نے آمین کو اسمار الٰہی میں سے مانا ہے جس کا محققین اور جمہور امت نے انکار کیا ہے، کہا گیا ہے کہ یہ اسم عبرانی ہے غیر معرب، ابوبکر دراقؒ نے فرمایا ہے کہ آمین دعائیں پہنچاتا ہے اور رحمت

کے نزول کا سبب ہے وغیرہ، آمین میں کئی لغات ہیں علماء نے فرمایا ہے کہ فصیح
آمین مد اور تخفیف میم کے ساتھ ہے دوسری رائے قصر کے ساتھ یہ دونوں زیادہ
مشہور ہیں، تحقیق اس میں یہ ہے جس کو روایت کیا ہے امام جعفر صادقؒ نے کہ
معنی اس کے یہ ہیں کہ ہم تیری ہی طرف مائل ہیں اور جو تیرا قصد کرتا ہے تو اس کو محروم
نہیں فرماتا یہی واحدی کا قول ہے، اہل عربیت نے آمین کے متعلق یہ فیصلہ دیا ہے
کہ توقف کیا جائے کیونکہ یہ بمنزلہ اصوات کے ہے جس کو کتاب تہذیب الاسماء واللغات
میں نوویؒ نے تفصیل سے بیان کیا ہے علماء نے فرمایا ہے کہ نماز میں آمین کہنا امام
اور مقتدی سب کو مستحب ہے اس لئے امام اور مقتدی صلوٰۃ جہری میں جہر سے کہیں
البتہ مقتدی کے جہر کے بارے میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ جہر کرے، دوسرا قول
یہ ہے کہ آمین زور سے نہ کہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اگر بڑی جماعت ہو جہر کرے ورنہ
نہیں، امام کے ہی ساتھ مقتدی کی آمین ہو نہ پہلے نہ بعد، اس لئے کہ صحیح میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا آمین فمن
وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفر اللہ لہ ماتقدم من ذنبہ اسی طرح آپؐ کا ارشاد
اذا امن الامام فامنوا جس کے معنی یہ ہوئے کہ جب امام آمین کا ارادہ کرے، کہا
ہمارے اصحاب نے کہ نہیں ہے نماز میں کوئی مقام مستحب طور پر ایسا کہ مقتدی کا قول
امام کے قول میں شامل ہو جائے سوائے آمین بالصلوٰۃ کے باقی اقوال امام کے قول
سے مؤخر ہی مقتدی کے ہونا چاہیئے۔

(۶۰) **فصل نمبر ۶۰:** ۔ سجدۂ تلاوت کے بارے میں سجدۂ تلاوت کی بہت زیادہ
تاکید آئی ہے اسی لئے تمام علماء نے متفقہ طور پر سجدۂ تلاوت کا حکم کیا ہے البتہ اس
بات میں اختلاف کیا ہے کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے یا مستحب۔ جمہور اس کے وجوب
کے قائل نہیں بلکہ مستحب بتاتے ہیں یہی قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس

وعمران بن حصین ومالک واوزاعیؒ وشافعی واحمد واسحٰق وابوثور اور داؤد وغیرہم رحمہم اللہ کا ہے، امام ابوحنیفہ سجدۂ تلاوت کو واجب کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے قول فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ہ سے دلیل پکڑتے ہیں۔ اور جمہور علماء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے دلیل لاتے ہیں کہ انھوں نے جمعہ کے دن ممبر پر سورہ نمل کی آیت سجدہ پڑھی اور اتر کر سجدہ فرمایا لوگوں نے بھی سجدہ کیا یہاں تک کہ آنے والے جمعہ کو پھر آپ نے آیت سجدہ پڑھی اور فرمایا کہ ہم آیت سجدہ سے گذرے پس جس نے سجدہ کیا اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا کوئی گناہ نہیں کیا اور خود سجدہ نہیں کیا (بخاری)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل اور قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ نے جو آیت کریمہ سے استدلال فرمایا ہے اس کا جواب جمہور کی جانب سے یہ ہے کہ آگے بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ ہے، جو لوگ سجدہ ترک کرتے ہیں اور نہیں کرتے ان کی مذمت کی گئی ہے اور صحیحین میں زید بن ثابت سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم پڑھی اور سجدہ نہیں کیا اور پھر صحیحین ہی سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم کو پڑھا اور سجدہ فرمایا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے۔

(۶۱) **فصل نمبر ۶۱**:۔ اس فصل میں سجدہ کی تعداد اور اس کے مقام کے تعین کا بیان ہوگا، سجدہ کی تعداد کے بارے میں امام شافعیؒ اور جمہور کا مختار مذہب چودہ ۱۴ یعنی اعراف، رعد، نحل، سبحان الذی، مریم، حج میں دو سجدے فرقان، نمل، الم تنزیل، حم سجدہ، نجم، اذا السماء انشقت، اقرأ لیکن سجدۂ سورۂ ص تو یہ مستحب ہے ضروری نہیں ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے "لیست من عزائم السجود"۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

سجدہ کرتے دیکھا ہے یہی مذہب امام شافعیؒ اور جو لوگ ان کے ہمنوا ہیں ان کا بھی ہے امام ابو حنیفہؒ بھی چودہ سجدوں کے قائل ہیں مگر آپ سورہ حج کے دوسرے سجدہ کو ساقط کرتے ہیں اور سورہ ص کے سجدہ کو ضروری مانتے ہیں امام احمد سے اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک تو امام شافعی کے مطابق اور دوسرا قول پندرہ سجدوں کا جس میں سورہ ص کو بھی لیتے ہیں، چنانچہ یہی قول ہے ابو العباس بن شریح ابو اسحٰق مروزی جو امام شافعی کے اصحاب میں سے ہیں اور امام مالکؒ سے بھی دو روایتیں ہیں ایک ان میں امام شافعی کے مثل اور مشہور ان دونوں میں گیارہ سجدے ہیں جن میں سے نجم اور اذا السماء انشقت اور اقراء کو ساقط فرماتے ہیں چنانچہ امام شافعی کا یہ قدیم قول رہا ہے، صحیح تو وہی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا، احادیث صحیح سے انھیں کی تائید ہوتی ہے۔

سجدۂ تلاوت کن آیات پر کیا جائے؟ تو سورۂ اعراف کے ختم پر اور سورہ رعد میں بالغدو والآصال پر اور سورہ نحل میں ویفعلون مایؤمرون پر اور سبحان الذی میں ویزیدہم خشوعا پر اور سورۂ مریم میں خروا سجدا وبکیا پر اور سورہ حج میں پہلا سجدہ ان اللہ یفعل مایشاء پر اور دوسرا وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون اور سورہ فرقان میں وزادھم نفوراً پر اور سورہ نمل میں رب العرش العظیم پر اور سورہ الم تنزیل میں وھم لا یستکبرون پر اور سورہ حم سجدہ میں لا یسأمون پر اور سورہ نجم میں آخر پر اور اذا السماء انشقت میں لا یسجدون پر اور سورہ اقراء کے آخر میں، اور جن مواضعات پر سجدہ کرنا ذکر ہوا ہے ان میں حم سجدہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، امام شافعیؒ اور آپ کے اصحاب کا مذہب تو وہی ہے جو ذکر کیا گیا کہ یَسْأَمُوْنَ کے بعد چنانچہ یہی مذہب سعید بن مسیب و محمد بن سیرین و ابو وائل ابن شفیق، ابن سلمہ، سفیان ثوری، ابو حنیفہ

واحمد واسحق بن راہویہ وغیرہم کا ہے البتہ دوسرے لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ کے بعد سجدہ کیا جائے، اس کو ابن المنذر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حسن بصری اور اصحاب عبداللہ بن مسعود اور ابراہیم نخعی اور ابوصالح وطلحہ بن مصرف وزبیر بن الحرث ومالک ولیث بن سعد سے حکایت کیا ہے، اور ایسا ہی بعض اصحاب شافعی کے متعلق بغوی نے تہذیب میں خیال ظاہر کیا ہے لیکن ہمارے اصحاب میں سے ابوالحسن علی بن سعید العبد کا قول اپنی کتاب کفایہ جو اختلاف فقہار میں ہے فرماتے ہیں ہمارے نزدیک سورہ نمل میں وَیَعْلَمُ مَا یُخْفُوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ پر ہونا چاہیے، اور اسی کو اکثر فقہار کا مذہب کہا گیا ہے اور امام مالک "رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ" پر سجدہ کو فرماتے ہیں، یہی وہ چیز ہے جس کو ہم اپنا مذہب کہہ کر نقل کرتے ہیں اور اکثر فقہار کا مذہب غیر معروف اور غیر مقبول بلکہ غلط ہے اور ہمارے مذہب کے اصحاب کی کتابوں میں صریح طور پر سورہ نمل کا سجدہ اللہ تعالیٰ کے قول رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ پر ہی مانا گیا ہے۔

(۶۲) **فصل نمبر ۶۲**:- سجدۂ تلاوت کا حکم صلوٰۃ نافلہ کے شرائط طہارت عن الحدث اور استقبالِ قبلہ وسترِ عورۃ وغیرہ کے مانند ہے، اس لئے اگر بدن یا کپڑے میں اتنی نجاست ہو جو معاف نہیں ہے تو سجدہ کرنا حرام ہوگا اور اسی طرح محدِث پر بھی حرام ہوگا الا یہ کہ اس نے تیمم کیا جس جگہ پر کرنا جائز ہے تو سجدہ بھی کر سکتا ہے، ہاں غیر قبلہ کی طرف سجدہ کرنا حرام ہے مگر سفر میں جہاں نماز نافلہ غیر قبلہ کی طرف جائز ہو جاتی ہے، یہ تمام مسائل متفق علیہ ہیں[1]۔

(۶۳) **فصل نمبر ۶۳**:- جب سورہ ص کا سجدہ کسی نے تلاوت کیا تو جو لوگ

---

[1] سجدۂ تلاوت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قاری اور سامع پر واجب ہے البتہ ائمہ ثلاثہ سنت کے قائل ہیں، سجدۂ تلاوت کے تمام شرائط نماز کے ہیں۔ "اصلاحی"

اس کے وجوب اور ضروری ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک سجدہ کرنا نماز میں خواہ نماز سے باہر، برابر ہے جس طرح اور دوسرے سجدے۔ امام شافعیؒ وغیرہ جو ص کو عزائم سجود سے نہیں مانتے وہ یہ تفسیر کرتے ہیں کہ اگر نماز کے اندر سجدہ ص پڑھا تو سجدہ کرنا مستحب ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا ہے جیسا کہ اوپر گذرا۔ اور اگر نماز میں پڑھا اور سجدہ نہیں کیا یا سجدہ کیا اور وہ جاہل ہے یا بھول کر کیا ہے تو نماز باطل نہ ہوگی، لیکن سجدہ سہو کرنا ہوگا اور عالم ہے تو صحیح مذہب یہ ہے کہ نماز جاتی رہے گی کیونکہ اس نے نماز میں زیادہ کیا جو اس نماز میں سے نہیں تھا، تو باطل ہوگا، جس طرح کسی نے سجدۂ شکر کیا تو بلاخلاف نماز بالکل باطل ہو جائے گی اور دوسری رائے یہ ہے کہ نماز باطل نہ ہوگی، کیونکہ اس کا تعلق نماز سے تھا، اگر امام نے سورہ ص کا سجدہ کیا کیونکہ امام اس کے عزائم سجود کا قائل ہے اور مقتدی اس کا قائل نہیں ہے تو مقتدی کو چاہیئے کہ اس کی متابعت نہ کرے بلکہ علیحدہ ہو جائے اور اس کے کھڑے ہونے کا انتظار کرے اور جب اس نے اس کا انتظار کیا سجدہ سہو کرے، اس میں دو مذہب ہیں، ان دونوں میں سب سے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ وہ سجدہ نہ کرے۔

(۶۴) **فصل نمبر ۶۴** :- کس کو سجدہ کرنا سنت ہے، جاننا چاہیئے کہ اس قاری کے لئے سجدہ کرنا مسنون ہے جس نے پانی یا مٹی سے طہارت کی ہے خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر، سننے والے کے لئے بھی سزاوار ہے اور مستمع کے سوا سامع کو بھی سجدہ کرنا سنت ہے۔

لیکن امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جیسا مستمع کے حق میں موکد ہے سامع کے حق میں اتنا نہیں ہے اور یہی صحیح ہے، نووی کہتے ہیں ہمارے اصحاب میں امام الحرمین سامع کو سجدہ کرنا نہیں کہتے ہیں لیکن مشہور اول ہے اور برابر ہے کہ قاری

نماز میں ہو یا نماز کے باہر سامع پر سجدہ ہے چاہے قاری سجدہ کرے یا نہ کرے، یہی صحیح اور مشہور امام شافعی کے اصحاب کے نزدیک ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا بھی ہے، اصحاب شافعی میں سے صاحب البیان نے کہا ہے کہ نہ سجدہ کرے سامع نماز میں سجدہ کی آیت پڑھنے کی بنا پر، صیدلانیؒ کا قول ہے کہ سجدہ مسنون نہیں ہے مگر جب کہ قاری سجدہ کرے، لیکن پہلا قول صحیح ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ قاری خواہ مسلمان عاقل و بالغ اور طاہر ہو، خواہ کافر یا بچہ یا غیر طاہر یا عورت پڑھنے والی ہو۔ یہی اصحاب شوافع اور امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے، نووی کہتے ہیں کہ ہمارے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ کافر اور لڑکا اور محدث اور مدہوش کے پڑھنے سے سجدہ مسنون نہ ہوگا اور سلف کی ایک جماعت عورت کے پڑھنے پر سجدہ اوروں پر نہ ہونے کی قائل ہے، جس کو ابن منذر نے قتادہ اور مالک اور اسحٰق سے حکایت کیا ہے مگر صحیح پہلا ہی قول ہے۔

(۶۵) **فصل نمبر ۶۵**:۔ سجدہ تلاوت کے مختصر کرنے کے بیان میں۔

اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آیت یا دو تین آیتیں پڑھی جائیں اور سجدہ کیا جائے، اس کو ابن منذر نے شعبی، حسن بصری، محمد بن سیرین و نخعی و احمد و اسحٰق رحمہم اللہ سے اس کی کراہت بیان کی ہے اور امام ابو حنیفہ و محمد بن الحسن و ابو ثور رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ کوئی مضائقہ نہیں ہے، امام نووی فرماتے ہیں یہ ہمارے مذہب کے مطابق ہے۔

(۶۶) **فصل نمبر ۶۶**:۔ اگر مصلی منفرد ہے اور اپنی قرأت کرنے پر سجدہ کرے، اگر اس نے سجدۂ تلاوت ترک کر دیا اور رکوع میں چلا گیا اور پھر ارادہ کیا کہ سجدۂ تلاوت ادا کرے تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور اگر ایسا جان بوجھ کر کیا ہے

تو نماز باطل ہو جائے گی، اور اگر رکوع کے لئے جھکا اور رکوع کرنے والوں کی حد میں نہیں آیا تو جائز ہے کہ سجدہ تلاوت کرے، اور اگر سجدہ تلاوت کیلئے جھکا پھر اس کو خیال آگیا اور قیام کی طرف لوٹ گیا تو جائز ہے، اگر منفرد نماز کی طرف مائل ہوا کسی شخص کی نماز میں یا غیر نماز میں قرات آیت سجدہ کی وجہ سے تو اس کیلئے جائز نہ ہو گا کہ وہ سجدہ کرے اور اگر اس نے باوجود علم کے سجدہ کیا تو نماز جاتی رہیگی اگر مصلی نماز میں ہے پس اگر وہ امام ہے تو منفرد کے حکم میں ہے، لہذا جب امام سجدہ تلاوت کرے تو مقتدی کو بھی اس کے ساتھ سجدہ کرنا چاہئے اگر اس نے سجدہ نہیں کیا تو نماز جاتی رہے گی، اور اگر امام نے سجدہ نہیں کیا تو مقتدی کو بھی سجدہ کرنا جائز نہیں اگر کرے گا تو نماز جاتی رہے گی، لیکن مستحب یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ کر لیا جائے اور اس کی تاکید نہ کی جائے۔

اگر امام نے سجدہ کیا اور مقتدی کو علم نہیں ہوا یہاں تک کہ امام نے سجدہ سے سر اٹھا لیا تو مقتدی معذور متصور ہو گا اور سجدہ کرنا جائز نہ ہو گا، اگر مقتدی کو سجدہ کا علم ہو گیا اور امام ابھی سجدہ میں ہے تو سجدہ واجب ہو گا۔ پس اگر سجدہ کے لئے جھکا اور امام نے سر اٹھا لیا اور وہ جھکا ہی تھا تو چاہئے کہ امام کے ساتھ وہ بھی اٹھ جائے اس کو سجدہ کرنا جائز نہ ہو گا اور اسی طرح کوئی ضعیف اور کمزور امام کے ساتھ جھکا اور امام نے ضعیف کے سجدہ میں پہنچنے سے پہلے سر اٹھا لیا تو ضعیف بھی اٹھا لے اور سجدہ نہ کرے ہاں اگر مصلی مقتدی ہو تو اس کو آیت سجدہ خود پڑھنے سے سجدہ کرنا جائز نہ ہو گا اور نہ اسی طرح دوسرے کے آیت سجدہ پڑھنے سے اگر سجدہ کرے گا تو نماز باطل ہو جائے گی اور ہم اس کیلئے آیت سجدہ پڑھنا مکروہ سمجھتے ہیں اور اسی طرح اس کے لئے غیر امام کے آیت سجدہ پڑھنے پر سجدہ کے لئے مائل ہونے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

(۶۷) **فصل نمبر ۶۷:**۔ تلاوت کے لئے سجدہ کا وقت، علماء نے فرمایا ہے
کہ سجدہ کی آیت پڑھنے اور سننے کے بعد ہی چاہیئے کہ سجدہ کیا جائے، پس اگر مؤخر
کیا مگر زیادہ دیر نہیں کی سجدہ کرلے اور زیادہ دیر کردی تو صحیح مذہب یہ ہے
کہ سجدہ فوت ہو گیا، اب اس کی قضا نہیں ہے[1]۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے
بعض اصحاب کا اس بارے میں ایک قول ضعیف ہے کہ اس طرح سجدۂ تلاوت
کی قضا کرے، جس طرح سنن رواتب کی جیسے فجر، ظہر وغیرہ کی سنتیں ہیں، پس اگر
قاری یا سننے والا پاک نہ ہو اور جلدی ہی پاک ہو جائے تو سجدہ کرے اور اگر زیادہ
دیر ہو جائے تو صحیح اور مختار مذہب یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے بغوی نے کہا کہ جس
طرح مؤذن کو اختیار ہے کہ بعد فراغت نماز کے اذان کا جواب دے۔

(۶۸) **فصل نمبر ۶۸:**۔ اگر کسی نے ایک مجلس میں تمام آیاتِ سجدہ کو پڑھا
یا بعض کو پس اگر ایک ہی آیت سجدہ کو بار بار پڑھا کئی مجلسوں میں تو ہر مجلس کا سجدہ
کرے بلا خلاف۔ اگر ایک ہی مجلس میں مکرر آیت سجدہ پڑھی تو اگر پہلی مرتبہ سجدہ
نہیں کیا تو ایک ہی سجدہ تمام کے لیے کافی ہو جائے گا، اگر پہلی ہی آیت پر سجدہ
کرلیا تو اس میں تین صورتیں ہیں زیادہ صحیح یہ ہے کہ ہر مرتبہ سجدہ کرے، سبب کے
تجدد کی وجہ سے۔ دوسرا قول یہ ہے پہلا سجدہ سب کے لئے کافی ہے یہی قول
ابن شریح کا ہے اور یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ کا۔ ہمارے اصحاب میں سے
صاحب العدہ کا یہی فتویٰ ہے اور اسی کو شیخ نصر المقدسی جو ہمارے اصحاب میں
ہیں اختیار کیا ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اگر دیر کافی ہو گئی تو پہلا سجدہ بس ہے ہاں
اگر ایک ہی آیت سجدہ کو مکرر نماز میں پڑھا تو اگر پہلی رکعت ہے تو اس میں تین قول
ہیں اگر دونوں رکعتوں میں آیت سجدہ پڑھی تو سجدہ کا اعادہ دونوں میں بلا اختلاف

---

[1] جس طرح صلوٰۃ کسوف کی قضا نہیں ہے۔

کے کرنا چاہیئے۔

(۶۹) فصل نمبر ۶۹ :۔ اگر کوئی حالتِ سفر میں سواری پر آیت سجدہ پڑھے تو وہ اشارہ سے سجدہ کرے، امام نووی فرماتے ہیں یہی ہمارا اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف اور احمد و زفر و داؤد وغیرہم کا مذہب ہے بعض اصحاب ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ سجدہ نہ کرے مگر جمہور کا مذہب ٹھیک ہے اگر حضر میں سواری پر ہے تو البتہ اس کو اشارہ سے سجدہ کرنا چاہیئے۔

(۷۰) فصل نمبر ۷۰ :۔ اگر کسی نے نماز میں آیت سجدہ سورۂ فاتحہ سے پہلے پڑھا تو سجدہ کرے، بخلاف اس کے کہ اگر آیت سجدہ رکوع اور سجدہ میں پڑھے تو اس کو جائز نہیں ہے کہ سجدہ کرے کیونکہ کھڑا ہونا قرأت کا محل ہے، اگر آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ کے لیے جھکا کہ سجدہ کرے پھر اس کو شک ہوا کہ سورہ فاتحہ پڑھی یا نہیں تو وہ سجدۂ تلاوت کرے اور قیام کی طرف لوٹ جائے اور فاتحہ پڑھے کیونکہ سجدۂ تلاوت کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہے۔

(۷۱) فصل نمبر ۷۱ :۔ اگر کسی نے آیت سجدہ فارسی زبان میں پڑھی تو ہمارے نزدیک وہ سجدہ نہ کرے جس طرح کسی نے آیت سجدہ کی تفسیر کی، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ سجدہ کرے[1]۔

(۷۲) فصل نمبر ۷۲ :۔ اگر سجدہ کرے سننے والا پڑھنے والے کے ساتھ نہ اس کے ساتھ ہے اور نہ اس نے اس کی اقتدا کی ہے تو وہ سجدہ کرکے پہلے اٹھ سکتا ہے

(۷۳) فصل نمبر ۷۳ :۔ امام کو آیت سجدہ پڑھنا مکروہ نہیں ہے چاہے وہ نماز سری ہو یا جہری وہ سجدہ کرے امام مالکؒ مطلقاً مکروہ کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ

---

[1] امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے غیر زبان میں قرآن پڑھنے سے رجوع فرما لیا ہے جس کو ہم پہلے واضح کرچکے ہیں ۱۲ اصلاحی

صرف سری میں مکروہ کے قائل ہیں۔

(۴) **فصل نمبر ۴** :۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اوقات مکروہہ میں سجدۂ تلاوت کرنا مکروہ نہیں ہے، یہی مذہب شعبی، حسن بصری، سالم بن عبداللہ، قاسم، عطا، عکرمہ، ابو حنیفہؒ اور اصحاب الرائے کا ہے اور ایک روایت امام مالک سے بھی ہے، علماء کے ایک گروہ نے جن میں عبداللہ بن عمر اور سعید بن المسیب ہیں اور ایک روایت میں امام مالک اور اسحٰق بن راہویہ و ابو ثور ہیں مکروہ سمجھا ہے۔

(۵) **فصل نمبر ۵** :۔ سجدۂ تلاوت حالت اختیار میں رکوع سے ادا نہیں ہوتا امام نوویؒ کہتے ہیں یہی مذہب ہے ہمارا اور جمہور علماء کا سلف اور خلف میں امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ رکوع سے سجدہ ادا ہو جاتا ہے اگر سجدہ کی نیت کی جمہور کی دلیل یہ ہے کہ وہ سجدہ نماز پر قیاس کرتے ہیں، اگر کوئی سجدہ کرنے سے مجبور ہے تو وہ اشارہ سے سجدہ کرے جس طرح نماز میں۔

(۶) **فصل نمبر ۶** :۔ سجدہ کرنے کی کیا صورت ہونی چاہیئے؟ معلوم ہو کہ سجدہ کرنے والوں کی دو صورت ہے ایک ان میں نماز سے باہر اور دوسری نماز کے اندر کی ہے، پہلی صورت میں جب سجدہ کرنے کا ارادہ ہو تو سجدہ تلاوت کی نیت کر کے تکبیر کہے اور جس طرح نماز میں تکبیر احرام کہتا ہے اسی طرح دونوں کندھوں تک ہاتھ اٹھائے پھر دوسری تکبیر کہتا ہوا سجدہ میں جائے مگر رفع یدین نہ کرے اور یہ تکبیر ثانیہ مستحب ہے شرط نہیں ہے جیسے تکبیر سجدہ نماز کی ہے نوویؒ کہتے ہیں لیکن تکبیر اولیٰ یعنی تکبیر احرام پس اس میں تین صورتیں ہیں ہمارے اصحاب کے نزدیک زیادہ ظاہر جو اکثروں کا قول ہے وہ رکن ہے بغیر اس کے سجدہ صحیح نہیں ہو گا، دوسرا قول یہ ہے کہ مستحب ہے اگر چھوڑ دیا تو سجدہ صحیح ہو جائے گا اور یہ قول شیخ ابو محمد جوینی کا ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ وہ مستحب نہیں ہے پس جو شخص کھڑے

ہی سجدہ کرنا چاہتا ہے تو کھڑے ہی تکبیر احرام باندھے پھر سجدہ کے لئے تکبیر کہتا ہوا سجدہ میں چلا جائے اور اگر بیٹھا ہی ہے تو ہمارے اصحاب کی جماعت کہتی ہے کہ مستحب یہ ہے کہ سجدہ کے لئے کھڑا ہو اور تکبیر احرام کہے اور پھر سجدہ کے لئے جھکے جس طرح شروع میں کھڑا ہوا ہے اس قیاس کی دلیل احرام اور نماز میں سجدہ کی ہے اس پر جزم کیا ہے، ہمارے اماموں میں سے جوینی، قاضی حسین اور ان کے اصحاب صاحب التتمہ، اور تہذیب اور محقق ابوالقاسم رافعی نے، امام الحرمین نے اپنے والد شیخ ابو محمد سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے اور پھر اس کا انکار بھی کیا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور نہ اس کا انھوں نے کبھی ذکر کیا ہے اور امام الحرمین نے جو کہا ہے وہ ظاہر بات ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق کچھ بھی ثابت نہیں ہے اور نہ ان لوگوں سے ثابت ہے جن کی اقتدا سلف میں سے کیجاتی ہے اور نہ ہمارے جمہور اصحاب نے اس سے کوئی تعرض کیا ہے، لہذا جب سجدہ کیا جائے تو سجدہ کے آداب ہیئت اور تسبیح کی پوری رعایت کی جائے جس طرح فرائض نماز میں آداب و شرائط کا لحاظ رکھا جاتا ہے، لیکن تسبیح سجود کے بارے میں ہمارے اصحاب کا کہنا ہے کہ وہی ہو جو نماز میں ہے مثلاً سبحان ربی الاعلیٰ تین مرتبہ اور پھر اس کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ۔

بہرکیف یہ سب دعائیں سجدہ نماز میں مصلی پڑھ سکتا ہے، یہ دعائیں اسی طرح سجدہ کے لئے خاص ہیں چاہیئے کہ اس کی محافظت کیلئے استاد اسمٰعیل ضریر نے اس کو اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے، امام شافعیؒ نے سجدہ تلاوت میں جس دعا کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے:۔ اَللّٰھُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا عِنْدَكَ اَجْرًا وَّاجْعَلْهَا لِيْ

عِنْدَكَ ذُخْراً وَضَعْ عَنِّیْ بِھَا وِزْراً وَاقْبَلْھَا مِنِّیْ کَمَا قَبِلْتَھَا مِنْ عَبْدِكَ دَاؤُدَ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔

اگرچہ یہ نقل امام شافعیؒ سے غرابت لئے ہوئے ہے مگر حسن ہے کیونکہ ظاہر قرآن سے اس کے قائل کی مدح ہی ظاہر ہوتی ہے تو مستحب یہ ہے کہ تمام اذکار کو جمع کرکے دعا کیجائے دنیا اور آخرت کے لئے اگر بعض ہی پر اکتفا کیا گیا تب بھی تسبیح ہو جائے گی اور اگر سجدہ میں کچھ اور دعا نہ بھی کی گئی تو سجدہ ہو جائے گا جس طرح فرائض نماز میں سجدہ حاصل ہو جاتا ہے پھر تسبیح اور دعا سے فارغ ہو گیا تو تکبیر کہتا ہوا اپنے سر کو اٹھائے تو کیا پھر سلام کی ضرورت ہے؟ اس میں دو قول ہیں اور دونوں امام شافعیؒ سے منصوص اور مشہور ہیں، ان دونوں میں جمہور اصحاب کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ نماز جنازہ کی طرح سلام پھیرے اس کی تاکید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو ابن ابی داؤد نے اسناد صحیح کے ساتھ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے اذا قرأ السجدۃ سجد ثم سلّم اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو سلام پھیرنے کی ضرورت نہیں ہے جیسے تلاوت کا سجدہ کرنا نماز میں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا منقول نہیں ہے، پس کیا پہلی صورت تشہد کی محتاج ہے؟ اس کی دو صورتیں ہیں جن میں سب سے صحیح یہ ہے کہ کوئی ضرورت نہیں ہے، جس طرح کھڑے ہونے کی کوئی حاجت نہیں ہے، ہمارے بعض اصحاب نے ان دونوں مسئلوں میں جمع کیا ہے اس لئے تشہد اور سلام میں تین صورتیں ہیں زیادہ صحیح یہ ہے کہ سلام ضروری ہے نہ کہ تشہد، دوسرا قول یہ ہے کہ ان میں سے کسی کی ضرورت نہیں ہے، تیسرا مسلک یہ ہے کہ دونوں ضروری ہیں، اور سلف میں سے جنھوں نے سلام کو کہا وہ محمد بن سیرین، اور ابو عبدالرحمن سلمی اور ابوالاحوص اور ابو قلابہ اور اسحٰق بن راہویہ ہیں۔ اور سلف میں سے

جنھوں نے سلام کو نہیں کہا ہے وہ حسن بصریؒ، سعید بن جبیرؒ ابراہیم نخعیؒ، یحییٰ بن وثاب و احمدؒ ہیں، اور یہ تمام پہلی صورت میں ہوگا اور وہ سجدہ کرنا ہے نماز سے باہر۔ اور دوسری حالت کہ سجدہ تلاوت کرے نماز میں تو تکبیر احرام نہ کہنا ہوگا، اور مستحب ہے کہ سجدہ کے لئے تکبیر کہے مگر ہاتھ نہ اٹھائے اور پھر سجدہ سے تکبیر کہتا ہوا اٹھے، یہی صحیح اور جمہور کا مشہور مسلک ہے اور علی ابن ابی ہریرہ کہتے ہیں جو ہمارے اصحاب میں سے ہیں کہ نہ سجدہ کے لئے تکبیر کی جائے اور نہ اٹھتے ہوئے مگر پہلا ہی مشہور ہے پس آداب سجدہ کی ہیئت اور تسبیح کا وہی حکم ہے جو خارج نماز سجدہ کرنے کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، ہاں اگر سجدہ کرنے والا امام ہو تو تسبیح میں طول نہ کرے الا یہ کہ مقتدی بھی تطویل کو اچھا سمجھتے ہوں، پھر جب سجدہ سے اٹھے تو کھڑا ہو جائے استراحت کے لئے بیٹھے نہیں، یہ بلا اختلاف کے طے ہے، اور یہ چند مسئلے ایسے ہیں جو بہتوں کے نزدیک ان پر کوئی نص نہیں ہے اور جنھوں نے اس پر نص سمجھا ہے ان میں قاضی حسین بغویؒ اور رافعیؒ ہیں اور یہ سجود نماز کے خلاف ہے پس صحیح اور منصوص قول امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے جو احادیث صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ جلسہ استراحت ہر نماز میں رکعت اولیٰ کے سجدہ ثانیہ کے بعد ہے اور چار رکعت والی نمازوں میں تیسری رکعت سے اٹھنے میں استراحت ہے، پھر جب سجدہ تلاوت سے اٹھے تو ضروری ہے کہ سیدھا کھڑا ہو جائے اور مستحب یہ بھی ہے کہ جب کھڑا ہو تو کچھ پڑھ کر رکوع کرے اور اگر کھڑا ہو اور بغیر کچھ پڑھے رکوع کیا تو بھی جائز ہے۔

(۷۷) **فصل نمبر ۷۷:۔ قرأت قرآن کے لئے کون سے اوقات زیادہ بہتر ہیں**

سب سے افضل قرأت قرآن نماز میں ہے، امام شافعیؒ وغیرہ کا مذہب ہے کہ نماز میں طول قیام سجدہ میں طول دینے سے افضل ہے ہاں غیر نماز میں قرأت قرآن سب سے افضل رات کو پڑھنا ہے، رات میں نصف اخیر افضل ہے شب اول سے

اور مغرب وعشاء کے درمیان قرآن پڑھنا پسندیدہ ومحبوب ہے اور دن میں قرأت قرآن سب سے افضل نماز صبح کے بعد ہے بہرکیف کسی وقت قرأت قرآن میں کراہت نہیں ہے اور یہ جو بعض مشائخ سے منقول ہے کہ بعد عصر یہود سے مشابہت ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اس کے بعد رمضان کے آخری دس دن۔ اور ذی الحجہ کے دس دن اور پورے رمضان بھر سب سے افضل ہے اور علماء نے قرأت قرآن کو پنجشنبہ، دوشنبہ اور یوم عرفہ کو بھی پسند کیا ہے۔

(۷۸) **فصل نمبر ۷۸**:۔ جب قرآن پڑھنے میں گڑبڑ ہوجائے اور نہ جانے کہ آگے کیا ہے تو دوسرے سے پوچھ لے بلکہ ادب یہ ہے کہ جیسا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ماقبل کو پڑھ کر چپ ہوجائے اور نہ کہے کہ ایسا ہے کیونکہ اس میں اشتباہ کا خطرہ ہے۔

(۷۹) **فصل نمبر ۷۹**:۔ جب کوئی شخص کسی آیت سے استدلال کرے تو چاہیے کہ کہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اس طرح کہنے میں کوئی کراہیت نہیں ہے اور یہی صحیح اور پسندیدہ ہے اور اسی پر سلف وخلف کا عمل درآمد ہے، یہ جو ابن ابی داؤد نے مطرف بن عبداللہ بن الشخیر مشہور تابعی کے متعلق روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ یہ نہ کہو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بلکہ یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مطرف رحمہ اللہ کا یہ کہنا قرآن، حدیث اور عمل صحابہ کے خلاف ہے، فرماتے ہیں قرآن مجید میں ہے:
وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ حدیث میں ہے۔ يَقُولُ اللهُ سبحانه وتعالىٰ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ وغیرہ احادیث صحیحہ اور سلف سے اس کے نظائر استقصا سے باہر ہیں۔

(۸۰) **فصل نمبر ۸۰**:۔ قرآن مجید ختم کرنے کے آداب وغیرہ کے بیان میں

پہلے گذرچکا ہے کہ قاری کا تنہا ختم کرنا نماز میں بہترین وقتوں میں سے ہے۔ بعض سنت فجر اور سنت مغرب میں مستحب کے قائل ہیں مگر سنت فجر کو افضل مانتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ اول دن میں شروع کرے اور آخر دن کے وقت میں ختم کرنا مستحب ہے، لیکن جو شخص نماز سے باہر ختم کرے اور لوگ جمع ہوں تو مستحب یہ ہے کہ اول النہار یا اول اللیل میں ختم کرے، بعض علماء کے نزدیک دن کے اول حصہ میں ختم کرنا افضل ہے۔

مسئلہ ثانیہ:۔ ختم قرآن کے دن روزہ رکھنا مستحب ہے بشرطیکہ وہ دن ایسا نہ ہو کہ روزہ رکھنے کی اس دن ممانعت ہے، ابن ابی داؤد نے روایت کیا ہے کہ طلحہ بن مطرف اور حبیب بن ابی ثابت اور مسیب بن رافع کوفی تابعین جس روز قرآن ختم کرنا ہوتا تو صبح کو روزہ سے ہوتے۔

تیسرا مسئلہ:۔ ختم قرآن کے موقع پر لوگوں کا موجود ہونا مستحبات میں سے ہے جیسا کہ صحیحین وغیرہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حائضہ عورت تک کو عیدین میں نکلنے کا حکم فرماتے تھے تاکہ وہ اس خیر و برکت کے موقع پر حاضر ہوکر مسلمانوں کی دعاؤں وغیرہ میں شریک ہوں، دارمی شریف میں ہے کہ ابن عباس آدمی کو مقرر کردیتے تھے تاکہ وہ دوسرے کے ختم قرآن سے آگاہ کرے، چنانچہ ابن عباس کو مطلع کیا جاتا تھا اور آپ تشریف لاکر دعا میں شریک ہوتے اسی طرح قتادہ جو جلیل القدر تابعی ہیں وہ انس بن مالک رضؓ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ جب ختم قرآن کرتے تو گھر کے تمام لوگوں کو اکٹھا کرکے دعا کرتے اسی طرح بروایت صحیحہ حکم بن عیینہ تابعی نے فرمایا کہ مجاہدؒ اور عتبہ بن لبابہ میرے پاس آئے اور دونوں نے فرمایا کہ ہم کو آپ کے پاس اس لئے بھیجا گیا ہے کہ قرآن مجید کے ختم کا ارادہ کررہے ہیں اور ختم کے وقت دعا کرنا مستحب ہے اور مستجاب ہے

بلکہ نزول رحمت ہوتا ہے، اسی طرح مجاہد ختم کے وقت لوگوں کو جمع کیا کرتے تھے اور فرماتے کہ رحمت کا نزول ہو رہا ہے۔

مسئلہ رابعہ:۔ ختم قرآن کے بعد دعا کا کرنا مستحب ہے جیسا کہ معلوم ہوا دارمی میں حمید اعرج سے روایت ہے کہ جس نے قرآن پڑھا اور پھر دعا کی اس کی دعا کی حفاظت پر چار ہزار فرشتے مقرر کر دیئے جاتے ہیں اس لئے چاہیئے کہ دعا انتہائی سرگرمی سے کی جائے اور امور مہمہ کو خصوصی طور پر دعا میں لایا جائے، مسلمانوں اور بادشاہوں کی خیر خواہی میں دعا کی جائے:۔

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ قُلُوْبَنَا وَاَزِلْ عُيُوْبَنَا وَتَوَلَّنَا بِالْحُسْنٰى وَزَيِّنَّا بِالتَّقْوٰى وَاجْمَعْ لَنَا خَيْرَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى وَارْزُقْنَا طَاعَتَكَ مَا اَبْقَيْتَنَا۔ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْنَا لِلْيُسْرٰى وَجَنِّبْنَا الْعُسْرٰى وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَسَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا وَاَعِذْنَا مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَفِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَفِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْهُدٰى وَالتَّقْوٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَوْدِعُكَ اَدْيَانَنَا وَاَبْدَانَنَا وَخَوَاتِيْمَ اَعْمَالِنَا وَاَنْفُسَنَا وَاَهْلِيْنَا وَاَحْبَابَنَا وَسَائِرَ الْمُسْلِمِيْنَ وَجَمِيْعَ مَا اَنْعَمْتَ عَلَيْنَا وَعَلَيْهِمْ مِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ وَالدُّنْيَا۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاجْمَعْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ اَحْبَابِنَا فِيْ دَارِ كَرَامَتِكَ بِفَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ۔ اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ وُلَاةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَوَفِّقْهُمْ لِلْعَدْلِ فِيْ رِعَايَاهُمْ وَالْاِحْسَانِ عَلَيْهِمْ وَالشَّفْقَةِ عَلَيْهِمْ وَالرِّفْقِ بِهِمْ وَالْاِعْتِنَاءِ بِمَصَالِحِهِمْ وَحَبِّبْهُمْ اِلَى الرَّعِيَّةِ وَحَبِّبِ الرَّعِيَّةَ اِلَيْهِمْ وَوَفِّقْهُمْ لِصِرَاطِكَ الْمُسْتَقِيْمِ وَالْعَمَلِ بِوَظَائِفِ دِيْنِكَ الْقَوِيْمِ۔ اَللّٰهُمَّ الْطُفْ بِعَبْدِكَ سُلْطَانِنَا

وَوَفِّقْهُ لِمَصَالِحِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَحَبِّبْهُ اِلٰى رَعِيَّتِهِ وَحَبِّبِ الرَّعِيَّةَ اِلَيْهِ۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ نَفْسَهُ وَبِلَادَهُ۔ وَانْصُرْهُ عَلٰى اَعْدَاءِ الدِّيْنِ وَسَائِرِ الْمُخَالِفِيْنَ۔ وَوَفِّقْهُ لِاِزَالَةِ الْمُنْكَرَاتِ وَاِظْهَارِ الْمَحَاسِنِ وَاَنْوَاعِ الْخَيْرَاتِ وَزِدِ الْاِسْلَامَ بِسَبَبِهِ ظُهُوْرًا وَاَعِزَّهُ وَرَعِيَّتَهُ اِعْزَازًا بَاهِرًا۔ اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ اَحْوَالَ الْمُسْلِمِيْنَ وَارْخِصْ اَسْعَارَهُمْ وَاٰمِنْهُمْ فِيْ اَوْطَانِهِمْ وَاقْضِ دُيُوْنَهُمْ وَعَافِ مَرْضَاهُمْ وَانْصُرْ جُيُوْشَهُمْ وَسَلِّمْ غُيَّابَهُمْ وَفُكَّ اَسْرَاهُمْ، وَاشْفِ صُدُوْرَهُمْ وَاذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ وَاَلِّفْ بَيْنَهُمْ وَاجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَالْحِكْمَةَ وَثَبِّتْهُمْ عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَوْزِعْهُمْ اَنْ يُّوْفُوْا بِعَهْدِكَ الَّذِيْ عَاهَدْتَّهُمْ عَلَيْهِ، وَانْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ اِلٰهَ الْحَقِّ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُمْ اٰمِرِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ فَاعِلِيْنَ بِهٖ نَاهِيْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ مُجْتَنِبِيْنَ لَهٗ مُحَافِظِيْنَ عَلٰى حُدُوْدِكَ قَائِمِيْنَ عَلٰى طَاعَتِكَ مُتَنَاصِفِيْنَ مُتَنَاصِحِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ صُنْهُمْ فِيْ اَقْوَالِهِمْ وَاَفْعَالِهِمْ وَبَارِكْ لَهُمْ فِيْ جَمِيْعِ اَحْوَالِهِمْ وَيَفْتَتِحُ دُعَاءَهُ وَيَخْتِمُهُ بِقَوْلِهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ حَمْدًا يُّوَافِيْ نِعَمَهُ وَيُكَافِئُ مَزِيْدَهُ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ نِ النَّبِيِّ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

قرآن مجید کے ساتھ لوگوں کا طریق ادب کیا ہونا چاہیے؟ صحیح مسلم میں تمیم داری سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین خیر خواہی کا نام ہے ہم نے کہا

کس کے ساتھ؟ فرمایا اللہ اور اس کی کتاب کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور مسلمانوں کے ائمہ کے ساتھ اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنا۔ اس روایت کے معنیٰ علماء رحمہم اللہ نے یہ بیان فرمائے ہیں، النصیحۃ لکتاب اللہ تعالیٰ سے مراد اس پر ایمان رکھنا کہ وہ اللہ کا کلام ہے اور اس کا نازل کردہ ہے جو مخلوق کے کلام سے مشابہ نہیں ہے اور تمام مخلوق مل کر بھی اس کے مثل نہیں لا سکتی ہے پھر اس کی تعظیم کرنا اور تلاوت کا حق ادا کرنا اور اس کی خوبی بیان کرنا اور تلاوت کے وقت خشوع کا ہونا اور تلاوت میں تمام حروف کا ادا ہونا اور باطل پرستوں کی تاویل و تفسیر کو دفع کرنا اور جو کچھ اس میں ہے اس کی تصدیق کرنا اور اس کے احکام پر چلنا اور اس کے علوم کو سمجھنا اور امثال سے عبرت پکڑنا نصیحت حاصل کرنا اور اس کے عجائبات پر غور و فکر سے کام لینا اور محکم پر عمل کرنا اور متشابہ کو ماننا اور اس کے عموم اور خصوص ناسخ اور منسوخ پر بحث کرنا اور اس کے علم کو پھیلانا اور اس کی طرف لوگوں کو بلانا وغیرہ۔

(۸۱) فصل نمبر۸۱ :۔ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ قرآن مجید کی تعظیم و تکریم کرنا واجب ہے اور ہر طرح کی حفاظت و صیانت کا قرآن مستحق ہے اور اسی طرح اس بات پر بھی اجماع ہوا ہے کہ جو شخص علم رکھتا ہو اگر ایک حرف کی کمی بیشی کرے گا جس کو کوئی بھی نہیں پڑھ رہا ہے تو وہ قطعاً کافر ہے۔

امام حافظ ابوالفضل قاضی عیاض ؒ فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیے کہ جس نے قرآن یا مصحف یا اور کسی قرآنی چیز کا استخفاف کیا یا اس کو برا کہا یا کسی حرف تک کا انکار کیا یا اس کی مدکی بھی تکذیب کی جس کی تصریح حکم یا خبر کے ذریعہ موجود ہے یا ایسی چیز کی نفی کی جو موجود ہے یا موجود نہیں ہے اس کو موجود مانا اور وہ اس کا عالم بھی ہے یا قرآن کی کسی چیز میں شک کیا تو وہ کافر ہے اور اس پر تمام فرق اسلامیہ حقہ کا اجماع ہو چکا ہے، اسی طرح اگر کسی نے توریت یا انجیل کی یا اور کتب منزلہ کی تکذیب کی اور انکار کیا یا اس کو برا جانا یا ہلکا

جانا تو وہ بھی کافر ہے، اسی طرح تمام فرق اسلامیہ اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ جو قرآن تمام عالم میں تلاوت کیا جاتا ہے اور جو اس صحف میں لکھا ہوا ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اور دو دفتیوں میں شروع الحمد للہ سے اور آخر من الجنۃ والناس پر ہوتا ہے یہ اللہ کا کلام اور اس کی وحی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ جبرئیلؑ نازل ہوا، اس کے اندر جو کچھ ہے حق ہے لہذا جو شخص بھی اس میں نقص نکالے یا اس کو بدلے کسی دوسرے حرف سے یا زیادہ کرے تو وہ کافر ہے۔

ابو عثمان بن الحذار فرماتے ہیں کہ تمام اہل توحید اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کے ایک حرف کا انکار کرنا کفر ہے اور فقہاء بغداد کا اتفاق ہوا ہے کہ ابن شنبوذ مقری جو قراء میں سے ایک امام کا درجہ رکھتا تھا ابن مجاہد کے ساتھ قرأت شاذہ کے پڑھنے پڑھانے پر ابن شنبوذ کا توبہ کرنا ثابت ہوا ہے اور اس نے اس قرارت شاذہ سے رجوع کیا ہے، اس کا توبہ نامہ بذریعہ سجل وزیر ابو علی بن مقلہ کے حضور ۳۲۴ھ میں پیش ہو کر طے ہو چکا ہے۔

اسی طرح محمد ابن ابی زید نے فتویٰ دیا ہے کہ اگر کوئی کسی بچے سے یہ کہے کہ تیرے استاد پر لعنت ہو اور جو چیز تجھ کو پڑھایا ہے تو وہ سوء ادب کا مرتکب ہوا، قرآن کا اس نے ارادہ نہیں کیا تھا تو اس قائل کو تنبیہ کیجائے گی، ہاں اگر کوئی مصحف پر کچھ لعنت کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا (قاضی عیاض کے کلام کا آخر ہوا)

(۸۲) **فصل نمبر ۸۲** :- ایسے شخص کو تفسیر قرآن کرنا حرام ہے جو نہ تو اہل ہے اور نہ وہ علم رکھتا ہے جس کی ضرورت پر احادیث کثرت سے وارد ہوئی ہیں اور اجماع ہو چکا ہے، ہاں علماء کا تفسیر کرنا حق اور صحیح ہے اس پر بھی اجماع ہو چکا ہے پس جو شخص تفسیر کرنے کا ان چیزوں کی بنا پر اہل ہے جس سے قرآن کے معنی اور مراد پر ظن غالب حاصل ہو جائے اور وہ اپنے اجتہاد سے معانی اور احکام جلیہ اور خفیہ، عموم و خصوص اور

اعراب وغیرہ کو جان جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ہاں اگر وہ ایسی چیزیں ہیں جو اجتہاد سے معلوم نہیں ہورہی ہیں جیسے وہ امور جو بطریق نقل اور الفاظ لغویہ کی تفسیر کے قبیل سے ہوں اور نقل صحیح کے سوا کلام کرنا صحیح اور جائز نہیں ہے اور جو اس کا اہل نہ ہو اور نہ ان امور کا جامع ہو جو تفسیر قرآن میں ضروری ہیں تو ایسے شخص کو تفسیر قرآن کرنا حرام ہے ہاں اگر وہ اس فن کے معتمدین سے صرف نقل کرتا ہے تو مضائقہ نہیں، اور جو صرف اپنی رائے سے تفسیر کرتا ہے اس کی بہت سی اقسام ہیں ایسے لوگ جو اپنے خود ساختہ مذہب اور اصول کی صحت پر قرآن سے استدلال کرتے ہوں درانحالیکہ آیت میں وہ مراد ہے ہی نہیں بلکہ اپنے مخالف پر محض غلبہ پیش نظر ہے، دوسرے ایسے لوگ جو محض دعاء خیر کا ارادہ کرکے آیت سے دلیل لاتے ہیں مگر ان سے ان کا مدعا حاصل نہیں ہوتا اور آیت کا مفہوم ومقصد دوسرا ہوتا ہے، یہ چیزیں تفسیر بالرائے کے قبیل سے ہیں تیسرے وہ لوگ جو الفاظ لغویہ کے معنی ایسے بیان کرتے ہیں جو ارباب لغت کے نزدیک صحیح نہیں ہیں بلکہ اس کو انھوں نے اہل عربیت سے سن کر مفسرین کی تفسیر وتشریح پر بھروسہ کرلیا ہے جیسے الفاظ کے معانی اور اس کے آداب اور اس میں جو حذف واختصار اضمار اور حقیقت ومجاز، عموم وخصوص اور تقدم وتأخر، اجمال اور بیان وغیرہ جو خلاف ظاہر ہیں سے کیا ہے یہ بھی صحیح نہیں ہے اور نہ تنہا عربیت کافی ہے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اہل تفسیر نے کیا سمجھا ہے، پس اگر وہ لوگ متفق ہو گئے ہیں ظاہر کے ترک پر یا انھوں نے خصوص کا ارادہ کرلیا ہے یا اضمار وغیرہ جو خلاف ظاہر ہے اتفاق کرلیا ہے تو یہ تفسیر بالرائے ہوگی، جس طرح ایک لفظ جو سب معنوں میں مشترک ہے اب اگر اس نے ایک جگہ ایک معنی کو لے کر پھر ہر جگہ وہی معنی لیتے ہوئے تفسیر کرنی شروع کردی تو یہ تمام تفسیر بالرائے ہوگی جو ناجائز اور حرام ہے۔

(۸۳) فصل نمبر ۳: قرآن کے معانی بیان کرنے میں جھگڑنا اور شک کرنا

حرام ہے جیسے ایک آیت کی دلالت واضح طور پر ہو، کسی کے مذہب کے خلاف ہو، اور کمزور احتمال سے اس کے مذہب کی تائید ہوتی ہو اور وہ جانتا ہوا اپنے مذہب کے خلاف کرے کہ یہ مراد قرآن ہے تو یہ حرام ہے، ہاں ایسا شخص جس پر الفاظ اور آیت کے معانی مخفی ہوں تو وہ معذور ہو گا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، قرآن میں جھگڑنا کفر ہے، امام خطابیؒ نے مراء کے معنی شک فرمائے ہیں اور جدال سے مراد یہ ہیں جو اہلِ بدعت آیات قدر کے بارے میں کہتے ہیں۔

(۸۴) **فصل نمبر ۸۴**:۔ یہ جائز ہے کہ اگر کوئی کہے کہ یہ آیت فلاں سے مقدم ہے یا اس آیت کی مناسبت فلاں آیت سے اور اس میں یہ حکمت ہے تو ایسا کہنا خلاف نہیں ہے۔

(۸۵) **فصل نمبر ۸۵**:۔ اس طرح کہنا کہ میں فلاں آیت بھول گیا مکروہ ہے بلکہ ادب یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ بھلا دی گئی یا ساقط کر دی گئی، کیونکہ صحیحین میں روایت ہے عبداللہ بن مسعودؓ سے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی یوں نہ کہے کہ میں نے فلاں فلاں آیت بھلا دی بلکہ وہ ایک ایسی چیز تھی جو بھلا دی گئی، نیز صحیحین میں اور بھی روایتیں اسی مفہوم کی ہیں، حتی کہ حضرت عائشہؓ سے ایک روایت اس طرح بھی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو پڑھتے سنا، فرمایا اللہ اس پر رحم فرمائے کہ اس نے مجھ کو یاد دلا دیا جو میں نے ساقط کر دیا تھا، ابن ابی داؤد نے عبدالرحمٰن سلمی تابعی جلیل کے متعلق روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے یہ نہ کہو کہ میں نے فلاں آیت ساقط کر دی بلکہ کہو کہ غافل ہو گیا جو بظاہر صحیحین وغیرہ کی مذکورہ روایات کے خلاف ہے اور کراہت نہیں ہے۔

(۸۶) **فصل نمبر ۸۶**:۔ اس طرح کہنا جائز ہے کہ یہ سورہ بقرہ ہے اور یہ سورہ آل عمران وغیرہ الخ بعض متقدمین نے اس کو مکروہ کہا ہے بلکہ اسطرح کہا جائے

کہ وہ سورہ جس میں بقرہ کا ذکر ہے لیکن صحیح پہلی بات ہے کیونکہ صحیحین وغیرہ میں آنحضرت صلعم سے سورۃ البقرہ، سورۃ الکہف وغیرہ کہنا ثابت ہے اور اسی طرح صحابہؓ سے بھی۔

(۸۷) فصل نمبر:- اس طرح کہنا مکروہ نہیں ہے کہ یہ قرأۃ ابوعمرو یا قرأۃ نافع یا حمزہ یا کسائی وغیرہم کی ہے یہی مختار ہے سلف اور خلف کے یہاں بغیر کسی انکار کے البتہ ابی داؤد نے ابراہیم نخعی سے اس طرح کہنا کہ یہ سنت فلاں اور قرأۃ فلاں ہے مکروہ ہے،

(۸۸) فصل نمبر:- کافر کو قرآن مجید سننے سے منع نہ کیا جائے، کیونکہ قرآن میں ہے وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ الخ ترجمہ:- اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیدے یہاں تک کہ سن لے کلام اللہ کا۔

البتہ قرآن کے چھونے سے ضرور روکا جائے گا۔ کیا کافر کو قرآن کی تعلیم دی جاسکتی ہے؟ امام نووی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کا فتویٰ ہے کہ اگر اسلام لانے کی امید ہو تو خیر تعلیم دیجائے، اس میں دو قول ہیں صحیح قول یہ ہے کہ بشرطیکہ اسلام لانے کی امید ہو تو ورنہ نہیں، جس طرح قرآن کی تجارت کافر سے جائز نہیں اگرچہ اسلام کی امید ہو۔ اگر کافر کسی کو تعلیم قرآن دیتا ہوا دیکھا جائے تو اسکو منع کیا جائیگا یا نہیں، اسمیں بھی دو قول ہیں یعنی تعلیم دینا اور نہ دینا۔

(۸۹) فصل نمبر۸۹:- اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت یا سورہ کو برتن پر لکھ کر اس کو مریض کی شفا کے لئے پلانا چاہئے یا نہیں؟ حسن بصری، مجاہد، ابوقلابہ اور اوزاعی اس کی اجازت دیتے ہیں اور امام نخعی اس کو مکروہ مانتے ہیں، امام نووی کے اصحاب میں سے قاضی حسین اور بغوی بھی اس کے قائل ہیں اگر قرآن کی کوئی آیت یا سورہ مٹھائی وغیرہ پر لکھدی جائے تو اس کا کھانا مضائقہ نہیں ہے قاضی حسین فرماتے ہیں کہ اگر آیت کسی لکڑی پر لکھدی گئی تو اس کا جلانا مکروہ ہے۔

(۹۰) فصل نمبر۹:- امام نووی فرماتے ہیں ہمارے مذہب میں یہ بات مکروہ ہے کہ قرآن مجید یا اسماء الہٰی کو دیوار یا کپڑے پر نقش کیا جائے، عطاء مشہور تابعی فرماتے

ہیں کہ مسجد کے قبلہ میں آیت کا لکھنا مضائقہ نہیں ہے ہاں اگر قرآن کی آیت تعویذ بنا کر پہن لیا جائے تو امام مالک فرماتے ہیں مضائقہ نہیں بشرطیکہ وہ کسی چمڑے یا خول دار مثل نرکل وغیرہ کے ہو اسی بنا پر شوافع بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اگر تعویذ میں قرآن کے ساتھ اور چیز بھی لکھی ہو تو وہ حرام نہیں ہے لیکن افضل ترک کرنا ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ محفوظ ہونا لکھنے کے لئے ضروری ہے۔ اس پر ابو عمرو ابن الصلاح نے فتویٰ دیا ہے۔

(۹۱) **فصل نمبر ۹۱** :- جھاڑ پھونک قرآن کی آیات کے ذریعہ کرنا کیسا ہے؟

ابن ابوداؤد نے ابو جحیفہ صحابی، حسن بصری، ابراہیم نخعی وغیرہ اس کو مکروہ کہتے ہیں مختار یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے بلکہ وہ سنت مستحبہ ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے آتے تو ہر رات کو معوذتین اور قل ہو اللہ کو پڑھ کر ہاتھ میں پھونکتے اور پھر سر سے لے کر تمام بدن پر ۳ بار پھیرتے اس کو صحیحین نے روایت کیا ہے بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جب کوئی شکایت اور جسم میں تکلیف ہوتی تھی تو آنحضرتؐ ایسا ہی کراتے تھے، چنانچہ مرض الموت میں بھی ایسا ہی کیا گیا تھا

آٹھواں باب

کن کن وقتوں اور حالات میں آپ نے مخصوص سورتیں پڑھی ہیں، معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ بات بہت ہی وسیع ہے، جس کی حد ممکن نہیں ہے البتہ تھوڑا اشارہ اس موقع پر کیا جا رہا ہے، مختصر عبارت میں جو عام اور خاص طور پر مشہور ہیں، چنانچہ اسی بنا پر دلائل ذکر نہیں کئے گئے، تلاوت قرآن کی زیادہ کثرت رمضان میں اور خصوصاً عشرہ اخیرہ میں ہونی چاہیئے اور رمضان کی رات میں اور زیادہ تاکید ہے، اسی طرح ذی الحجہ

کے عشرہ اول اور یوم عرفہ اور جمعہ اور نماز صبح اور رات کو زیادہ تلاوت ہونی چاہیئے سورہ یٰسین اور سورہ واقعہ اور تبارک الملک پر محافظت ضروری ہے، سورہ یٰسین بعد نماز فجر اور سورۂ ملک بعد نماز عشاء اور سورہ واقعہ بعد نماز مغرب پڑھتے رہنا چاہیئے۔

(۹۲) **فصل نمبر ۹۲:** ۔ سنت فجر میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص اور اگر چاہے تو پہلی رکعت میں قولوا آمنا الخ اور دوسری میں قل یا اہل الکتاب تعالوا الخ یہ دونوں طریقے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور سنت مغرب میں سورہ کافرون اور قل ہو اللہ پڑھنا ثابت ہے، طواف کی دو رکعت اور استخارہ میں بھی انہیں کو پڑھنا ثابت ہے، اور اسی طرح جو تین رکعت وتر پڑھنے کا قائل ہے پہلی میں سبح اسم اور دوسری میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری میں قل ہو اللہ یا معوذتین پڑھنا سنت ہے۔

(۹۳) **فصل نمبر ۹۳:** ۔ سنت یہ ہے کہ جمعہ کی فجر میں بعد فاتحہ پہلی رکعت میں الم تنزیل سجدہ اور دوسری میں سورۂ دہر پوری پوری پڑھنی چاہیئے، اسی طرح جمعہ کی نماز میں سبح اسم اور ہل اتیٰ یا سورۂ جمعہ اور سورہ منافقون ہی پڑھنا سنت ہے اس سے بچنا چاہیئے کہ صرف بعض پر مختصر کر دیا جائے، اسی طرح عید کی نماز میں سورہ ق اور سورہ قمر اور سبح اسم اور ہل اتیٰ کو پوری پڑھنا چاہیئے۔

(۹۴) **فصل نمبر ۹۴:** جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنا مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ اس کو جمعہ کی رات میں پڑھے جیسا کہ دارمی میں ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ جس نے جمعہ کی رات میں سورۂ کہف پڑھا تو اس کے نور کی روشنی سے اسکے پاس سے بیت عتیق یعنی کعبہ تک منور ہو جاتا ہے، دارمی نے سورۂ ہود کو جمعہ کے دن پڑھنے کو مستحب بتایا ہے اور مکحول تابعی سورہ آل عمران کو جمعہ کے دن پڑھنا مستحب فرماتے ہیں۔

(۹۵) **فصل نمبر ۹۵:** ۔ مستحب ہے کہ آیۃ الکرسی کو ہر موقعہ پر پڑھا جایا کرے خصوصاً جب رات کو بستر پر سونے آئے تو آیت الکرسی کو پڑھ لیا کرے اور معوذتین

ہر نماز کے بعد پڑھنا بروایت ابوداؤد، ترمذی، نسائی صحت کے ساتھ ثابت ہے۔ فرائض نماز میں بعد سلام پھیرنے کے فوراً دعا مانگی جائے اس کے بعد سنت اور نوافل سے فارغ ہو کر یا دعا، مانگنے کے بعد آیت الکرسی وغیرہ کو پڑھا جائے۔

(۹۶) **فصل نمبر ۹۶**:۔ ابوداؤدؒ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ میں اس کو اسلام میں عقلمند نہیں جانتا جو اسلام میں داخل ہو کر سورہا اور آیت الکرسی کو نہ پڑھا۔ انھیں سے یہ بھی منقول ہے یعنی سورہ بقرہ کی تین آخری آیات، نیز آنحضرت صلعم سے ہر رات قل ہو اللہ اور معوذتین پڑھنا ثابت ہے، یہی طریقہ تابعین میں سے ابراہیم نخعی کا بھی رہا ہے اور ایک روایت حضرت عائشہؓ سے یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلعم ہر رات کو سورہ زمر اور بنی اسرائیل پڑھا کرتے تھے اور جب آپ جاگتے تھے تو آل عمران کے آخری رکوع کو برابر پڑھا کرتے تھے۔

(۹۷) **فصل نمبر ۹۷**:۔ مریض کے پاس کیا پڑھنا چاہیۓ؟ مریض کے پاس سورہ فاتحہ پڑھنا بہتر ہے اور اسی طرح معوذتین اور قل ہو اللہ کے ذریعہ بدن پر ہاتھ پھیرنا بھی ثابت ہے۔ اور طلحہ بن مطرف فرماتے ہیں کہ مریض کے پاس اگر قرآن مجید پڑھا جائے تو مرض میں تخفیف ہوتی ہے اور مرض نتھنوں سے نکل جاتا ہے اور مریض اپنے کو اچھا سمجھتا ہے، اور خطیب ابو بکر بغدادی اپنی اسناد سے بیان کرتے ہیں کہ رمادی رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو فرمایا کہ اصحاب حدیث کو بلاؤ، جب لوگ آگئے تو کہا کہ حدیث پڑھو۔ یہ تو حدیث تھی قرآن تو اس سے بہتر ہے۔

(۹۸) **فصل نمبر ۹۸**:۔ میت کے پاس کیا پڑھا جائے؟ ہمارے علماء وغیرہم کا ارشاد ہے کہ سورہ یٰسین پڑھنا چاہیۓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے، امام شعبی فرماتے ہیں کہ انصار جب کسی میت کے پاس پہنچتے تو سورہ بقرہ پڑھتے۔

نواں باب ۹

قرآن مجید کے لکھے جانے اور اسکے احترام میں

جاننا چاہیئے کہ قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی تالیف ہو چکا تھا، جس طرح کہ آج ہم لوگوں کے پاس ہے، البتہ وہ ایک مصحف کی صورت میں موجود نہ تھا بلکہ وہ لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا چنانچہ صحابہ میں سے کچھ لوگوں نے مکمل اور کچھ لوگوں نے بعض حصہ حفظ کر رکھا تھا، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور بہت سے صحابہ جو حافظ قرآن تھے جاتے رہے اور ان کے بعد ان میں اختلاف ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے باہم مشورہ کیا کہ قرآن اکٹھا کر دینا ضروری ہے تو صحابہ نے اس کو منظور کیا اور قرآن کو ایک مصحف میں جمع کر دیا اور اس کو حضرت حفصہؓ کے گھر رکھدیا گیا، جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور اسلام ادھر ادھر پھیل گیا تو حضرت عثمان کو ڈر ہوا کہ کہیں قرآن میں سے کچھ چھوڑ دینے یا زیادہ کر دینے میں اختلاف نہ ہو جائے تو جو مجموعہ حضرت ام المؤمنین حفصہ رضؓ کے پاس رکھا ہوا تھا اس کو منگا کر اس کی نقل متعدد کرا کے مختلف شہروں میں بھیجدیا اور جو اس کے خلاف تھا اس کے ضائع کر دینے کا حکم دیدیا اور یہ کام تمام صحابہ کے اتفاق سے ہوا جن میں حضرت علیؓ اور تمام صحابہ موجود تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مصحف میں اس وجہ سے نہیں جمع کیا کہ آپ کے زمانہ تک اُس میں زیادتی اور نسخ کا امکان تھا، جب آپ کی وفات سے یہ توقع ختم ہوگئی اور ابوبکرؓ اور تمام صحابہ اسکی زیادتی

اور نسخ سے مطمئن ہو گئے اور مصحف کا تقاضا بھی ہوا تو مصحف کو (قرآن کو) جمع کر دیا گیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو قرآن اِدھر اُدھر بھیجے اس کی تعداد میں اختلاف ہے، امام ابو عمرو الدانی اور اکثر علماء کا خیال ہے کہ وہ چار نسخے تھے، جس میں سے ایک بصرہ، ایک کوفہ اور ایک شام بھیجا اور ایک نسخہ اپنے پاس رکھا، ابو حاتم سجستانی کا کہنا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سات قرآن بھیجے تھے، ایک مکہ ایک یمن اور ایک بحرین، بصرہ، کوفہ، شام اور ایک مدینہ میں محفوظ رکھا، یہ مختصر اور جامع تحقیق اول جمع قرآن کے بارے میں ہے اور اس کی مؤید بہت سی حدیثیں ہیں لفظ مصحف میں تین لغات ہیں میم مضموم اور مکسور زیادہ مشہور ہیں، فتحہ کو ابو جعفر نحاس نے اختیار کیا ہے۔

(۹۹) **فصل نمبر ۹۹**:۔ علماء نے اتفاق کیا ہے کہ قرآن مجید کا بہتر لکھنا اور اس کو بہت واضح اور خوبصورت لکھنا اور خط کی تحقیق کے ساتھ مستحب ہے علماء نے کہا ہے کہ نقطہ اور اعراب لگانا لب و لہجہ کی حفاظت اور تغیر اور تبدل سے بچنے کے لئے ضروری ہے، لیکن امام شافعیؒ نے نقطہ لگانے کو مکروہ کہا ہے، یہ کراہیت اس زمانہ میں تھی جب کہ تغیر وغیرہ کا خطرہ تھا، اب ایسا کرنا منع نہیں ہے اور نہ ایسا کرنا بدعت ہے بلکہ اگر ہے تو بدعت حسنہ، جیسے مدارس، خانقاہ اور کتابوں وغیرہ کی تصنیف وغیرہ ہوتی ہے۔

(۱۰۰) **فصل نمبر ۱۰۰**: نجس چیز پر قرآن لکھنا نہ چاہیئے، امام نوویؒ کے نزدیک دیواروں پر لکھنا مکروہ ہے، جیسا کہ پہلے عطاء رضی اللہ عنہ کا مذہب ذکر کیا جا چکا ہے وغیرہ وغیرہ

(۱۰۱) **فصل نمبر ۱۰۱**:۔ مسلمانوں کا قرآن کے احترام اور اس کی حفاظت پر اجماع ہو چکا ہے، اسی بنا پر اگر نعوذ باللہ کوئی مسلمان قرآن کو غلاظت میں

ڈالدے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، قرآن کا تکیہ لگانا حرام ہے بلکہ کسی دینی کتاب کے ساتھ ایسا کرنا حرام ہے پس جب قرآن لایا جائے تو اس کے لئے اٹھنا مستحب ہے جس طرح علماء اور فضلاء کے لئے اٹھا جاتا ہے تو قرآن کے لئے اولیٰ ہے اور اسی طرح قرآن کے کسی جز کو جمع کر لینا بھی احترام کا مستحق ہے، حضرت عکرمہؓ قرآن کو اپنے سر پر رکھ کر فرمایا کرتے کہ یہ میرے رب کی کتاب ہے۔

(۱۰۲) فصل نمبر ۱۰۲:۔ دشمن کی سرزمین میں قرآن لے کر سفر کرنا حرام ہے جب کہ خطرہ ہو اس کے ضائع ہونے کا، مشہور حدیث کی بناء پر۔ چنانچہ اسی بناء پر ذمی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اگر بیچ دیا تو بیع کے صحیح ہونے میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں، ان دونوں میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے لہذا حکم دیا جائے کہ وہ فوراً ملک کا ازالہ کردے، اسی طرح اگر مجنون اور ایسا لڑکا جو قرآن کے چھونے میں نجاست وغیرہ میں تمیز نہیں کرتا اس کو روکا جائے۔ یہ ذمہ داری اس کے ولی پر ہے۔

(۱۰۳) فصل نمبر ۱۰۳:۔ ناپاک آدمی چاہے کپڑا وغیرہ کے ذریعہ ہو، یا دوسری طرح کسی حالت میں قرآن کا چھونا اور اٹھانا جائز نہیں ہے، جزدان اور جس چیز میں قرآن رکھا جاتا ہے اس کو چھونا جائز ہے یہ پسندیدہ مذہب ہے، اگر قرآن کو کسی تختی پر لکھا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا۔

(۱۰۴) فصل نمبر ۱۰۴:۔ اگر جنبی اور حائضہ قرآن کے اوراق کو کسی لکڑی سے چھوئے تو صحیح یہ ہے کہ جائز ہے، دوسرا مذہب یہ ہے کہ نہ چھوئے کیونکہ اس کا شمار بھی ورق الٹ پلٹ کرنے والوں میں ہے، اسی طرح اگر قرآن کو آستین میں لپیٹ لیا اور اوراق ادھر ادھر ہو گئے تو حرام ہوگا۔

(۱۰۵) فصل نمبر ۱۰۵:۔ اگر محدث اور جنبی اور حائضہ قرآن کو لکھے اور

اس کو نہ اٹھائے اور نہ چھوئے تو جائز ہے۔

(۱۰۶) **فصل نمبر ۱۰۶:۔** محدث، جنبی اور حائضہ کیلئے فقہی کتابوں وغیرہ دینی علوم جن میں قرآنی آیات ہوں اس کا اٹھانا یا ایسا کپڑا جس پر قرآنی آیات منقش ہوں یا درہم اور دینار جن پر آیات لکھی ہوں یا بہت سے سامانوں میں قرآن بھی ہو یا دیوار وغیرہ پر قرآن لکھا ہو سب کا چھونا اور اٹھانا مذہب صحیح میں جائز ہے، البتہ قاضی القضاۃ علامہ ماوردی فرماتے ہیں کہ جن کپڑوں پر قرآن نقش ہو اس کا چھونا تو جائز ہے مگر پہننا ناجائز ہے، علماء نے قاضی صاحب سے موافقت نہیں کی ہے بلکہ امام جوینی وغیرہم پہننے کے جواز کے قائل ہیں، اگر کتب تفسیر جن کے اندر قرآن کا زیادہ حصہ ہے اور تفسیر کا کم ہے تو ان کا چھونا اور اٹھانا حرام ہے، اگر تفسیری حصہ زیادہ ہے تو اس میں علماء کے تین قول ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ حرام نہیں ہے، اسی طرح چھونا دونوں کی برابری میں بھی حرام ہے۔

لیکن کتب حدیث اگر ان کے اندر قرآن کی آیات نہیں ہیں تو چھونا حرام نہیں ہے، لیکن اولیٰ یہ ہے کہ طہارت کے ساتھ حدیث کی کتابوں کو اٹھایا جائے، یہی حکم کتب فقہ کا ہے جن میں قرآنی آیات ہوں، ہاں آیات منسوخ التلاوت کا چھونا اور اٹھانا حرام نہیں ہے، یہی حکم توریت اور انجیل کا بھی ہے۔

(۱۰۷) **فصل نمبر ۱۰۷:۔** اگر طاہر آدمی کی کسی جگہ ایسی نجاست جو غیر معفوعنہ ہو لگی ہو تو موضع نجاست سے قرآن کو چھونا حرام ہے اور مذہب صحیح میں جمہور علماء شوافع فرماتے ہیں کہ نجاست نہ ہونے پر اس کا چھونا حرام نہیں ہے، البتہ ابوالقاسم صمیری اس کے خلاف حرام کے قائل ہیں، قاضی ابوالطیب فرماتے ہیں کہ جس نے ایسا کہا وہ بالاجماع رد ہے ہاں بعض شوافع مکروہ کے قائل ہیں مگر مختار مذہب یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے۔

(۱۰۸) **فصل نمبر ۱۰۸:** - اگر پانی نہ ملے تو قرآن مجید چھونے کے لئے تیمم کر لینا جائز ہے چاہے وہ تیمم نماز کے لئے ہو یا اس کے سوا ہو جس میں تیمم کیا جایا کرتا ہے اور اگر کوئی پانی نہ پائے اور نہ مٹی تو اسی طرح نماز پڑھ لے لیکن قرآن کا چھونا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ محدث ہے اور نماز کی اجازت محض بربنا ضرورت دی گئی ہے اور اگر اس کے ساتھ قرآن مجید ہو اور وہ کسی کو نہیں پاتا کہ اس کے سپرد اور حوالہ کر دے، اور وضو کرنے سے مجبور ہے تو ایسی حالت میں ضرورتاً اس کو اٹھانا جائز ہوگا۔ یہ قاضی ابو الطیب نے کہا ہے اور اس کیلئے تیمم ضروری نہیں، امام نوویؒ اس کو صحیح نہیں سمجھتے اور تیمم کو ضروری قرار دیتے ہیں ہاں اگر خوف ہو کہ قرآن جل جائے گا یا ڈوب جائے گا یا کافر کے ہاتھ میں پڑ جائے گا تو محدث آدمی کو اس حالت میں لینا ضروری ہو گا۔

(۱۰۹) **فصل نمبر ۱۰۹:** - چھوٹے بچوں کے ولی اور معلم پر کیا یہ واجب ہے کہ وہ بچہ کو وضو کے ساتھ اٹھانے، چھونے اور پڑھنے کی تاکید اور تکلیف دے سکتا ہے؟ صحیح قول یہ ہے کہ نہیں۔

(۱۱۰) **فصل نمبر ۱۱۰:** - صحیح ہے خرید اور فروخت قرآن مجید کی البتہ بیچنے میں دو قول ہیں، ان میں زیادہ صحیح امام شافعیؒ کی تصریح کی بنا پر یہ ہے کہ مکروہ ہے اور جنہوں نے خرید و فروخت کو مکروہ نہیں کہا ہے وہ حسن بصری، عکرمہ، حکم بن عیینہ ہیں اور یہی ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے اور علماء کا ایک گروہ خرید و فروخت دونوں کو مکروہ سمجھتا ہے جس کو ابن المنذر نے علقمہ و ابن سیرین، نخعی، شریح، مسروق، عبد اللہ بن یزید سے حکایت کیا ہے اور یہی حضرت عمرؓ، ابو موسیٰ اشعری کا مذہب قرآن کی بیع کے بارے میں ممانعت شدیدہ کے ساتھ ہے البتہ ایک جماعت خریدنے کی اجازت دیتی ہے اور بیچنے کو مکروہ سمجھتی ہے، بیع کی کراہت کو ابن المنذر نے ابن عباس، سعید بن جبیر اور احمد ابن حنبل و اسحق بن راہویہ سے نقل کیا ہے۔ تمت (واللہ اعلم)

حالات مولانا نجم الدین اصلاحی

مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی کی پیدائش سنہ ۱۸۹۹ء کے لگ بھگ ہوئی ہے، آپ کے دادا مولانا شیخ قدرت علی مرحوم جو اپنے وقت کے فارسی اساتذہ میں ممتاز تھے، انھیں نے بسم اللہ کرائی، دادا کے جلدی انتقال کر جانے کی وجہ سے گھر کے لوگوں کو تردد ہوا کہ کہاں بھیجکر تعلیم دلوائی جائے کہ اسی اثنا میں سنہ ۱۹۰۸ء میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کا سنگِ بنیاد رکھا گیا، اس مدرسہ میں قرآن ناظرہ اردو پھر فارسی درجہ چہارم تک پڑھا تھا کہ والد صاحب بھی مرحوم ہو گئے، والد صاحب کی دلی خواہش تھی کہ اپنے چار لڑکوں میں سے اس چھوٹے لڑکے کو حافظ کراؤں گا، اس خیال کے پیش نظر والدہ نے حافظ محمد یوسف صاحب مرحوم جو مادرزاد ولی تھے، ان کے مدرسہ قرآنیہ سکرور میں داخل کر دیا، اور صرف ڈھائی سال کے اندر حفظ قرآن حکیم کی سعادت حصہ میں آگئی، اس کے بعد پھر مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں عربی کے اندر داخلہ ہوا، سنہ ۱۹۲۲ء میں مدرسہ کے نصاب تعلیم کو ختم کر کے دو سال درس نظامی کی تکمیل فرمائی اور دو گھنٹہ عربی کی تعلیم بھی دینی شروع کی، سنہ ۱۹۲۵ء میں مدرسۂ مذکور کے اندر عربی اور فارسی کی تعلیم دینے پر تقرر ہو گیا، سنہ ۱۹۲۷ء میں حضرت مولانا ماجد علی مانی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں تھے، آپ سے ترمذی و بخاری پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی، اسی کے ساتھ مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر نظام القرآن سے فارسی ادب کی تکمیل کے بعد ترجمہ و تفسیر قرآن مجید کے ساتھ مولانا فراہی رحمۃ اللہ کے فکر کو سمجھنے کی بھی عزت حاصل ہوئی، سنہ ۱۹۴۰ء میں مدرسۃ الاصلاح سے مستعفی ہو کر علالت وغیرہ کے سلسلہ میں دو سال مکان پر قیام رہا، نومبر سنہ ۱۹۴۲ء میں ہم لوگوں کی درخواست پر سدھاری اعظم گڈھ

تشریف آوری ہوئی اور ۱۹۷۰ء تک برابر قیام رہا ۱۹۴۲ء میں ایک عظیم الشان جلسہ کے سلسلہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کی تشریف آوری کے موقعہ پر شہر اعظم گڈھ اور سدھاری کے لوگوں کے ساتھ مولانا اصلاحی کو بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا، اس سے پہلے حضرت مولانا سید محمد امین حسنی الحسینی نصیر آبادی سے بیعت ہوئی، سید صاحب کے وصال کے بعد حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ سے، آپ کے بعد حضرت مدنی قدس

مولانا اصلاحی کی غیر معمولی صلاحیت اور عربی علوم وفنون پر وسعتِ نظر معلوم کر کے میں نے تصنیف وتالیف پر زور دیا اور بات ان کی سمجھ میں آگئی، یہ جرأت مجھ کو اس وجہ سے اور ہوئی کہ مشہور مصنف حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے علم وفضل میں یگانۂ روزگار تھے، مولانا اصلاحی کی صلاحیتوں کو مقدمہ یادگار سلف میں سراہا تھا، خدا کا شکر ہے کہ میرا خیال غلط نہیں نکلا، مولانا اصلاحی نے اپنی کتاب دلائل السنن والآثار حصہ اول، مکتوبات شیخ الاسلام کی چار ضخیم جلدیں، امحار البدع واحیاء السنن، انتخاب رباعیات مولانا رومؒ، ترجمہ التبیان فی آداب حملۃ القرآن، دلائل السلوک، دلائل القرآن، احسن العقائد عربی، آموزگار فارسی وغیرہ کتابوں کو سدھاری پر ہی لکھا ہے، متفرق مضامین اور مقالات کی تعداد بھی کافی ہے، ان تمام خالص علمی کاموں کے بعد تفسیر ابن جریر رحمہ اللہ کی تلخیص کا کام بھی شروع کیا تھا اور حکومت سعودیہ سے حوصلہ افزائی کی امید بھی تھی، یہ کام بہت ہی کاوش اور دردسری کا تھا مگر اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تھا ناتمام رہا۔ ——— مولانا اصلاحی پر اپنے پیر حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے استاد مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ کا بڑا گہرا اثر رہے اور انھیں کی تعریف برابر کرتے رہتے ہیں اور بھرپور عقیدت کے ساتھ، چنانچہ حضرت مدنی قدس سرہ العزیز کی سوانح حیات آج کل مولانا اصلاحی کے زیر تحریر ہے، مولانا اصلاحی ان دنوں

مولانا آزاد تعلیمی مرکز اسرہٹہ جونپور کے صدر شعبۂ اسلامیات ہیں، جہاں ہفتہ میں قرآن مجید اور امام نووی کی ریاض الصالحین کا درس جاری کر رکھا تھا جو آج کل بند ہے، انشاء اللہ پھر جاری ہو جائے گا۔ تذکرہ نامی رسالہ دیوبند کے مولانا اصلاحی مدیر بھی رہ چکے ہیں، ــــــ مولانا موصوف امسال زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہو کر، ۷ر اپریل ۱۹۷۱ء کو اپنے وطن مالوف راجہ پور سکرور میں بخیریت واپس آگئے ہیں، اس مبارک سفر کی روداد ہم لوگوں کی درخواست پر سپرد قلم کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے، ایک قسط نشاۃ نو میں شائع ہو گئی ہے۔

یوں تو مولانا اصلاحی کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے، مخصوص تلامذہ میں مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی سابق امیر جماعت اسلامی، مولانا صدر الدین اصلاحی، مولانا محمد عاصم اصلاحی، مولانا اظہار الدین اصلاحی شیخ الحدیث مولانا آزاد تعلیمی مرکز اسرہٹہ، حکیم مختار احمد اصلاحی صبر حد جونپور، مولانا داؤد اکبر اصلاحی شیخ التفسیر ادارہ مذکور، مولوی مشتاق احمد اصلاحی، مولوی عبدالرحمن ناصر اصلاحی۔ مولوی عبدالرحمن پرواز اصلاحی، رفیق دار المصنفین۔ مولوی اکرام صاحب سابق مدرس مدرسۃ الاصلاح سرائمیر و مولوی احتشام الدین صاحب سابق صدر مدرس مدرسہ اصلاح۔ مولوی شبیر امام ڈاکٹر، اور مولانا ابوالحسن علی فراہی ناظم مدرسہ اصلاح۔ مولانا محمد ادریس صاحب سرائے میر صدر مدرس جامعہ عربیہ بنارس وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

مکتوبات شیخ الاسلام کی جمع و ترتیب پر مولانا آزاد کی سفارش سے گورنمنٹ آف انڈیا نے مولانا کو سو روپیے ماہوار دینے کا فیصلہ کیا [1]

---

[1] جمع و ترتیب کا یہ کام مکمل ہو چکا تھا۔ مولانا اس کی تکمیل کے بعد انتقال فرما گئے۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ الہامی کتب میں خاص فضیلت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ نے اس کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم پڑھنے اور حفظ کرنے کے فضائل بھی دیگر عبادات کی نسبت منفرد ہیں۔

لیکن عمومی طور پر مسلمانوں کو قرآن مجید کی تلاوت اور حفظ کے آداب سے آگاہی نہیں ہے۔ امام نوویؒ نے اس موضوع پر ایک کتاب "التبیان فی آدابِ حملة القرآن" تصنیف فرمائی تھی۔

مولانا نجم الدین اصلاحیؒ نے اسی مقبول عام کتاب کا اردو ترجمہ "آدابِ حاملینِ قرآن" کے نام سے کیا ہے۔ اس ترجمہ سے مترجم مرحوم کا قرآن کریم سے خصوصی شغف اور والہانہ لگاؤ مترشح ہوتا ہے۔

اس کتاب میں تلاوتِ قرآن مجید سے متعلق ایک سو دس فضائل و مسائل پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ جو اتنے بڑے موضوع پر دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ ہر مسلمان اس کتاب سے بغیر کسی عالم کی اعانت کے مستفید ہو سکتا ہے۔ یہ کتاب تلاوتِ قرآن حکیم کے بارے میں مفید معلومات کا خزانہ ہے۔